

شعور، زبان اور سمندر: یولیسز کے پہلے باب کی داخلی کائنات

محمد عامر حسینی

یہ مضمون جیمز جوائس کے ناول "یولیسسز" کے پہلے باب کی لغوی و معنوی تحلیل کے زریعے اس ناول کی داخلی کائنات میں جھانکنے کی ایک کوشش ہے۔ عامر حسینی

یولیسیز

(Ulysses)

کی لغوی، اشتقاقی اور تہذیبی تحلیل ہمیں ایک طویل لسانی اور اساطیری سفر کی طرف لے جاتی ہے، جہاں ایک ہی نام مختلف زبانوں، ثقافتوں اور تاریخی ادوار سے گزرتا ہوا نئے معانی اختیار کرتا ہے۔ جیمز جوائس نے اپنے ناول کے لیے اسی نام کا انتخاب محض اتفاقاً نہیں کیا بلکہ یہ ایک گہرا شعوری انتخاب ہے، جس کے پیچھے پوری مغربی تہذیب کی اساطیری اور ادبی روایت کارفرما ہے۔

یولیسیز دراصل لاطینی زبان میں یونانی ہیرو اوڈیسیئس

(Odysseus)

کا نام ہے۔ یونانی متن میں یہ نام اوڈیسیئس

(Ὀδυσσεύς)

کی صورت میں آتا ہے، جبکہ رومن یا لاطینی روایت میں اسے یولیسیز کہا جاتا ہے۔ یہ تبدیلی محض صوتی نہیں بلکہ تہذیبی بھی ہے، کیونکہ یونانی اساطیر جب رومن دنیا میں داخل ہوتی

ہیں تو ان کے نام، لہجے اور بعض اوقات مفاہیم بھی بدل جاتے ہیں۔ اس طرح اوڈیسیئس (Odysseus) سے یولیسیز (Ulysses)تک کا سفر دراصل یونانی سے رومن تہذیب کی منتقلی کی علامت بھی ہے۔

اوڈیسیئس کے لفظی ماخذ کے بارے میں لسانی ماہرین مختلف آراء رکھتے ہیں، مگر ایک معروف رائے کے مطابق یہ یونانی فعل اوڈیسیسّتھائی

(odyssomai / ὀδύσσομαι)

سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں "غصہ کرنا"، "نفرت کرنا" یا "اذیت دینا اور سہنا"۔ اس لحاظ سے اوڈیسیئس کا مفہوم ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے جو یا تو نفرت کا شکار ہو یا دوسروں کے لیے مصیبت کا باعث بنے، یا خود مسلسل آزمائشوں اور دکھوں سے گزرتا رہے۔ یونانی مہاکاوی داستان اوڈیسی میں یہ مفہوم پوری طرح ظاہر ہوتا ہے، جہاں اوڈیسیئس ایک طویل، پرخطر اور تکلیف دہ سفر سے گزرتا ہے تاکہ اپنے گھر واپس پہنچ سکے۔

جب یہی نام لاطینی روایت میں یولیسیز کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کے صوتی آہنگ میں نرمی اور بہاؤ آ جاتا ہے۔ لاطینی زبان میں

"U"

کی آواز "یو" کے قریب ہے، جبکہ

"lysses"

کی ساخت ایک مسلسل بہنے والی صوتی کیفیت پیدا کرتی ہے، جیسے کوئی حرکت، کوئی سفر جاری ہو۔ یوں یولیسیز کا لفظ خود اپنی آواز میں ایک طرح کی روانی اور سفر کا احساس رکھتا ہے، جو اس کے اساطیری کردار سے ہم آہنگ ہے۔

جیمز جوائس نے اپنے ناول کے لیے اوڈیسیئس کے بجائے یولیسیز کا انتخاب کیا، اور یہ انتخاب نہایت معنی خیز ہے۔ اوڈیسیئس یونانی اساطیر کا کردار ہے، جو ایک عظیم ہیرو، جنگجو اور مہم جو کے طور پر سامنے آتا ہے، جبکہ یولیسیز اس کا رومن روپ ہے، جو مغربی یورپی ادبی روایت میں زیادہ مانوس اور قابلِ شناخت ہے۔ جوائس چونکہ ایک جدید یورپی ادیب تھا، اس لیے اس نے لاطینی نام کو اختیار کیا تاکہ اپنے ناول کو براہِ راست مغربی ادبی روایت کے ساتھ جوڑ سکے۔ اس طرح یولیسیز نہ صرف ایک اساطیری حوالہ بنتا ہے بلکہ ایک تہذیبی پُل بھی، جو قدیم اور جدید کو آپس میں ملاتا ہے۔

لغوی سطح پر اگر ہم یولیسیز کو دیکھیں تو یہ محض ایک شخص کا نام نہیں بلکہ ایک علامتی تصور ہے۔ اس میں سفر، بھٹکنا، تلاش، آزمائش اور واپسی جیسے مفاہیم شامل ہیں۔ اوڈیسیئس ایک ایسا کردار ہے جو مسلسل حرکت میں ہے، جو ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتا، جو سمندر، جزائر اور اجنبی دنیاوں سے گزرتا ہوا اپنے گھر کی تلاش میں ہے۔ یہ "گھر" صرف ایک جغرافیائی مقام نہیں بلکہ ایک ذہنی اور وجودی حالت بھی ہے۔ یولیسیز اسی تلاش کا استعارہ بن جاتا ہے، جہاں انسان اپنی شناخت، اپنے مقام اور اپنے معنی کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔

جوائس کے ناول میں یہ لغوی اور اساطیری مفہوم ایک نئے تناظر میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں یولیسیز لیوپولڈ بلوم کی صورت میں سامنے آتا ہے، جو نہ کوئی جنگجو ہے، نہ ہیرو، بلکہ ایک

عام شہری ہے۔ اس کا سفر بھی کسی سمندر یا مہم کا نہیں بلکہ ڈبلن شہر کی گلیوں میں ایک دن کی گردش کا ہے۔ مگر اسی معمولی سفر کے اندر وہی لغوی اور علامتی مفاہیم پوشیدہ ہیں جو اوڈیسیئس کے اساطیری سفر میں تھے: تلاش، بھٹکنا، تنہائی، اور کسی نہ کسی سطح پر واپسی کی خواہش۔ اس طرح یولیسیز کا لفظ اپنی لغوی بنیاد سے نکل کر ایک جدید انسانی تجربے کی علامت بن جاتا ہے۔

یہاں ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ یولیسیز کا مفہوم صرف "سفر کرنے والا" نہیں بلکہ "سفر میں گم رہنے والا" بھی ہے۔ اوڈیسیئس کا سفر بالآخر اپنے اختتام کو پہنچتا ہے، مگر جوائس کے ہاں یہ سفر ادھورا رہتا ہے۔ بلوم گھر تو واپس آتا ہے، مگر اس کی واپسی کسی حتمی انجام یا مکمل شناخت کی علامت نہیں بنتی۔ اس طرح یولیسیز کا لغوی مفہوم بھی ایک تبدیلی سے گزرتا ہے، جہاں "واپسی" کی جگہ "مسلسل تلاش" لے لیتی ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ یولیسیز ایک ایسا لفظ ہے جو اپنے اندر کئی تہذیبی، لسانی اور فکری پرتیں سموئے ہوئے ہے۔ یہ یونانی اوڈیسیئس سے شروع ہو کر لاطینی یولیسیز تک پہنچتا ہے، اور پھر جوائس کے ناول میں ایک جدید، عام انسان کی علامت بن جاتا ہے۔

اس لفظ کی لغوی تحلیل ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ کس طرح ایک نام محض ایک شناخت نہیں بلکہ ایک پورے تجربے، ایک پوری تاریخ اور ایک پوری فکری روایت کا حامل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "یولیسس" کا عنوان خود ناول کے فکری اور علامتی نظام کا ایک مرکزی عنصر ہے، جو قاری کو شروع ہی میں اس بات کا اشارہ دے دیتا ہے کہ وہ ایک ایسے سفر میں داخل ہو رہا ہے جو بظاہر سادہ ہے مگر درحقیقت نہایت گہرا اور پیچیدہ۔

ٹیلی ماکوس

یولیسسز کے ابواب کو جیمز جوائس نے کوئی عنوان نے نہیں دیے تھے ۔ یہ بعد میں ناشرین نے اسے دیے ۔

یولیسس کے پہلے باب کا عنوان ٹیلماکوس

(Telemachus)

ہے، اور اس کی لغوی و معانیاتی تحلیل ہمیں ناول کی پوری ساخت، اس کے اساطیری نظام اور اس کے فکری افق کو سمجھنے کی کلید فراہم کرتی ہے۔ یہ عنوان بظاہر ایک سادہ نام ہے، مگر اس کے اندر یونانی اساطیر، خاندانی رشتوں، شناخت کی تلاش اور ایک وجودی خلا کی پوری کہانی پوشیدہ ہے۔

ٹیلی میکس دراصل اوڈیسیئس کا بیٹا ہے، جو اوڈیسی میں ایک ایسے نوجوان کی صورت میں سامنے آتا ہے جو اپنے گمشدہ باپ کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اس کے نام کی لغوی تحلیل یونانی زبان کے دو اجزاء سے کی جاتی ہے: "ٹیلے"

(Tele)

جس کے معنی ہیں "دور" اور "ماخوس/ماکوس"

(Machos) جس کے معنی ہیں "جنگ" یا "لڑائی"۔ اس طرحٹیلماکوس کا مجموعی مفہوم بنتا ہے: "وہ جو دور کی جنگ سے متعلق ہو" یا "وہ جس کا باپ دور کی جنگ میں ہو"۔ اس لغوی مفہوم میں پہلے ہی ایک فاصلہ، ایک جدائی اور ایک انتظار کا عنصر موجود ہے۔

یہی فاصلہ اور جدائی اس کردار کی معنوی تشکیل میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ٹیلماکوس وہ بیٹا ہے جو اپنے باپ کی غیر موجودگی میں بڑا ہو رہا ہے۔ اس کے پاس باپ کی کوئی واضح یاد نہیں، کوئی مکمل شناخت نہیں، بلکہ صرف ایک نام، ایک کہانی اور ایک خلا ہے۔
یوںٹیلماکوس کا نام خود ایک ایسے وجود کی علامت بن جاتا ہے جو اپنی اصل، اپنی جڑ اور اپنی شناخت کی تلاش میں ہے۔ وہ مکمل نہیں بلکہ ادھورا ہے، اور اس کی تکمیل کا امکان اس کے باپ کی واپسی سے جڑا ہوا ہے۔

جب یہی عنوان جوائس کے ناول میں آتا ہے تو اس کا مفہوم ایک نئے تناظر میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاںٹیلماکوس اسٹیفن ڈیڈالس کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسٹیفن بھی ایک ایسے نوجوان کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنے باپ سے کٹا ہوا ہے، نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی اور روحانی سطح پر بھی۔ اس کے اپنے باپ کے ساتھ تعلقات کمزور اور غیر تسلی بخش ہیں، اور وہ ایک ایسے "باپ" کی تلاش میں ہے جو اسے فکری، روحانی اور تخلیقی سطح پر رہنمائی دے سکے۔

اس طرحٹیلماکوس کا لغوی مفہوم "دور کی جنگ" جو یونانی اساطیر میں ایک حقیقی جنگ تھی، جوائس کے ہاں ایک علامتی جنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ جنگ اب ٹرائے کے میدان میں نہیں بلکہ ذہن، معاشرے اور شناخت کے اندر لڑی جا رہی ہے۔ اسٹیفن کی جنگ مذہب کے ساتھ ہے، قوم کے ساتھ ہے، خاندان کے ساتھ ہے، اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات کے ساتھ ہے۔ یوں "ماخوس" یعنی جنگ ایک داخلی کشمکش بن جاتی ہے، جبکہ "ٹیلے" یعنی دوری ایک وجودی فاصلے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ٹیلی میکس کے عنوان میں ایک اور اہم پہلو "انتظار" کا ہے۔ یونانی داستان میں ٹیلماکوس اپنے باپ کی واپسی کا منتظر ہے، مگر جوائس کے ہاں یہ انتظار غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ اسٹیفن کے لیے کوئی واضح "اوڈیسیئس" موجود نہیں جو واپس آئے اور اس کی شناخت کو مکمل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں باپ کی غیر موجودگی ایک مستقل حالت بن جاتی ہے، نہ کہ ایک عارضی مرحلہ۔ اس طرح ٹیلماکوس کا مفہوم "تلاش" سے آگے بڑھ کر "بے یقینی" اور "عدم تکمیل" تک پہنچ جاتا ہے۔

مزید برآں،ٹیلماکوس کا کردار ایک عبوری حالت (transition) کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ وہ نہ مکمل بچہ ہے اور نہ مکمل بالغ، بلکہ ان دونوں کے درمیان معلق ہے۔ یہی کیفیت اسٹیفن میں بھی نظر آتی ہے، جو نہ مکمل طور پر سماج کا حصہ ہے اور نہ مکمل طور پر اس سے باہر۔ وہ ایک ایسی حد پر کھڑا ہے جہاں سے اسے اپنی راہ خود متعین کرنی ہے، مگر اس کے پاس کوئی واضح رہنما اصول نہیں۔

یوںٹیلماکوس کا عنوان اپنے اندر کئی سطحوں پر معنی رکھتا ہے: لغوی سطح پر یہ دوری اور جنگ کا مجموعہ ہے؛ اساطیری سطح پر یہ باپ اور بیٹے کے رشتے اور تلاش کی کہانی ہے؛ اور جوائس کے ہاں یہ ایک جدید انسان کی وجودی حالت، اس کی تنہائی، اس کی تلاش اور اس کی ادھوری شناخت کی علامت بن جاتا ہے۔ اس طرح ناول کا پہلا باب اپنے عنوان ہی کے ذریعے قاری کو یہ بتا دیتا ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں داخل ہو رہا ہے جہاں اصل کہانی بیرونی واقعات کی نہیں بلکہ اندرونی خلا، تلاش اور معنی کی تشکیل کی ہے۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں اس حصّے کا اردو ترجمہ دیکھیں :

"باوقار، بھرے جسم کا بَک مُلِگن سیڑھیوں کے سرے سے نمودار ہوا، ہاتھ میں جھاگ سے بھرا پیالہ اٹھائے ہوئے جس پر آئینہ اور استرا صلیب کی صورت میں ایک دوسرے پر رکھے تھے۔ اس کا زرد ڈریسنگ گاؤن، بے بند، نرم صبح کی ہوا میں اس کے پیچھے ہلکے سے لہرا رہا تھا۔ اس نے پیالہ بلند کیا اور ترنم سے کہا:

میں خدا کے مذبح کی طرف داخل ہوں گا۔

وہ رکا، پیچ دار اندھیری سیڑھیوں میں جھانکا اور بھدے انداز میں پکارا:

اوپر آؤ، کنچ! اوپر آؤ، تم ڈرے ہوئے جیسوئٹ!

پھر سنجیدگی سے آگے بڑھا اور گول توپ دان پر چڑھ گیا۔ اس نے رخ پھیر کر سنجیدگی کے ساتھ تین بار برج، اردگرد کی زمین اور جاگتے ہوئے پہاڑوں کو برکت دی۔ پھر جب اس کی نظر اسٹیفن ڈیڈالس پر پڑی تو وہ اس کی طرف جھکا اور تیزی سے ہوا میں صلیب کے نشان بنانے لگا، گلے میں غرغرہٹ سی پیدا کرتے ہوئے اور سر ہلاتے ہوئے۔ اسٹیفن ڈیڈالس، ناخوش اور نیند آلود، سیڑھی کی چوٹی پر بازو ٹیکے کھڑا تھا اور سرد نگاہ سے اس کانپتے، غرغراتے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو اسے برکت دے رہا تھا، لمبائی میں گھوڑے جیسا، اور اس کے ہلکے، بے مونڈھے بالوں کو، جن کی بافت اور رنگت پھیکے بلوط کی لکڑی جیسی تھی۔

بَک مُلِگن نے ایک لمحے کو آئینے کے نیچے جھانکا، پھر پھرتی سے پیالہ ڈھانپ دیا۔

واپس بیرک میں! اس نے سختی سے کہا۔

پھر واعظ کے لہجے میں اضافہ کیا:

کیونکہ، اے عزیزو، یہی اصل مسیحی حقیقت ہے: جسم، روح اور خون، اور اونس بھی۔ آہستہ موسیقی، مہربانی! آنکھیں بند کر لو، حضرات! ایک لمحہ۔ ان سفید خلیوں کے بارے میں ذرا سی دقت ہے۔ خاموشی، سب!

وہ ترچھی نظر سے اوپر دیکھنے لگا اور ایک لمبی، آہستہ سی سیٹی بجائی، پھر کچھ دیر محویت سے ٹھہرا رہا، اس کے یکساں سفید دانت کہیں کہیں سنہری نقطوں کے ساتھ چمک رہے تھے۔ کرسوسٹوموس۔ خاموشی میں دو تیز، بلند سیٹیاں جواب میں سنائی دیں۔

شکریہ، پرانے دوست! اس نے پھرتی سے کہا۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ ذرا کرنٹ بند کر دو گے؟

وہ توپ دان سے پھرتی سے اترا اور اپنے دیکھنے والے کی طرف سنجیدگی سے دیکھا، اپنے لباس کی ڈھیلی تہیں ٹانگوں کے گرد سمیٹتے ہوئے۔ اس کا بھرا ہوا، سایہ دار چہرہ اور بوجھل بیضوی جبڑا قرونِ وسطیٰ کے کسی مذہبی پیشوا، فنون کے سرپرست، کی یاد دلاتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر آہستگی سے ایک خوشگوار مسکراہٹ ابھری۔"

یہ اقتباس پہلے حصے کی ڈرامائی فضا کو آگے بڑھاتے ہوئے کرداروں کے باہمی تعلق، نوآبادیاتی شعور، اور شناخت کے بحران کو زیادہ واضح کرتا ہے۔ یہاں زبان بیک وقت مزاح، طنز، ثقافتی حوالہ اور نفسیاتی تناؤ کو سمیٹے ہوئے ہے۔

ابتدائی فقرہ

"The mockery of it!"

اپنے اندر ایک دوہری کیفیت رکھتا ہے۔

"mockery"

صرف مذاق نہیں بلکہ تضحیک، تمسخر اور کسی چیز کی معنوی بے قدری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بَک مُلِگن اسٹیفن کے نام کو "ancient Greek" کہہ کر ایک طرف اس کی علمی شناخت کو تسلیم کرتا ہے، مگر ساتھ ہی اسے مضحکہ بنا دیتا ہے۔ یہاں قدیم یونانی روایت ایک زندہ علمی ورثہ نہیں بلکہ ایک طنزیہ حوالہ بن جاتی ہے۔

"absurd name" اور "ancient Greek" کا ملاپ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسٹیفن کی شناخت ماضی سے جڑی ہوئی ہے، مگر موجودہ دنیا میں وہ بے محل اور غیر متعلق محسوس ہوتی ہے۔ یہ جدید انسان کے اس المیے کی علامت ہے جہاں کلاسیکی ورثہ ایک بوجھ بن جاتا ہے۔

جب مُلِگن اپنے نام "Malachi Mulligan, two dactyls" کا ذکر کرتا ہے تو یہاں "dactyls" عروضی اصطلاح ہے، جو شاعری کی بحر سے متعلق ہے۔ اس طرح زبان خود ایک کھیل بن جاتی ہے، جہاں نام بھی موسیقیت اور وزن کے پیمانے پر پرکھے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ "Hellenic ring" کا فقرہ یونانی تہذیب کی بازگشت کی طرف اشارہ کرتا ہے، مگر یہ بازگشت بھی ایک طرح کی سطحی نقالی ہے، حقیقی وابستگی نہیں۔

"Tripping and sunny like the buck himself" میں مُلِگن اپنے آپ کو ایک زندہ، شوخ اور متحرک وجود کے طور پر پیش کرتا ہے۔ "buck" یہاں اس کے نام کے ساتھ ساتھ ایک علامتی معنی بھی رکھتا ہے، یعنی جوان، بے فکر، اور قدرے خود پسند مرد۔ اس کے مقابلے میں اسٹیفن سنجیدہ، تھکا ہوا اور اندر سے ٹوٹا ہوا نظر آتا ہے۔

"We must go to Athens" ایک اہم بین المتونی اشارہ ہے۔ ایتھنز یونانی تہذیب، فلسفے اور علم کا مرکز ہے، مگر یہاں یہ ایک حقیقی فکری سفر نہیں بلکہ ایک رومانوی، تقریباً سیاحتی خواہش بن کر رہ جاتا ہے۔ "twenty quid" کا ذکر اس خواب کو فوری طور پر مادی حقیقت میں گرا دیتا ہے۔ یوں اعلیٰ ثقافتی خواب اور روزمرہ معاشی حقیقت ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں۔

"jejune jesuit" ایک نہایت اہم ترکیب ہے۔ "jejune" کا مطلب ہے کمزور، ناتجربہ کار، یا فکری طور پر خام۔ "jesuit" اسٹیفن کی مذہبی تربیت کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں کو ملا کر مُلِگن اسٹیفن کو ایک ایسے شخص کے طور پر پیش کرتا ہے جو نہ صرف مذہبی طور پر بندھا ہوا ہے بلکہ فکری طور پر بھی ناپختہ ہے۔ یہ محض مذاق نہیں بلکہ ایک گہرا فکری حملہ ہے۔

اس کے بعد مکالمہ اچانک ایک سنجیدہ رخ اختیار کرتا ہے جب اسٹیفن ہینز کے بارے میں پوچھتا ہے۔ یہاں "A ponderous Saxon" ایک نوآبادیاتی اشارہ ہے۔ "Saxon" انگریزوں کے لیے استعمال ہوا ہے، اور "ponderous" اس کی بھاری، غالب اور دباؤ ڈالنے والی موجودگی کو ظاہر کرتا ہے۔ مُلِگن کا جملہ "these bloody English" براہِ راست نوآبادیاتی نفرت اور مزاحمت کی جھلک دیتا ہے، مگر اس کے اندر بھی ایک سطحی پن ہے کیونکہ وہ خود اسی نظام کا حصہ ہے۔

"Oxford manner" ایک تہذیبی اشارہ ہے، جو تعلیم، تہذیب اور اشرافیہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ مُلِگن اسٹیفن کو اس معیار پر رکھتا ہے، مگر ساتھ ہی اسے ایک طنزیہ لقب دیتا ہے: " ,Kinch

"the knife-blade" ۔"knife-blade" ذہانت، کاٹ دار سوچ اور خطرے کی علامت ہے۔ اس طرح اسٹیفن ایک ایسے کردار کے طور پر سامنے آتا ہے جو بظاہر کمزور ہے مگر اندر سے تیز اور ممکنہ طور پر خطرناک۔

ہینز کے بارے میں "raving... about a black panther" ایک نفسیاتی اور علامتی پہلو رکھتا ہے۔ "black panther" خوف، وحشت اور لاشعوری اندیشوں کی علامت ہو سکتا ہے۔ یہ نوآبادیاتی ذہن کے اندر چھپے ہوئے خوف کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے، جہاں "دوسرا" ہمیشہ ایک خطرناک اور نامعلوم وجود کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اسٹیفن کا جملہ "I'm not a hero" نہایت اہم ہے۔ یہ براہِ راست اساطیری روایت کی نفی ہے۔ جہاں اوڈیسیئس ایک ہیرو تھا، وہاں اسٹیفن خود کو اس مقام سے انکار کرتا ہے۔ یہ جدید انسان کی anti-heroic شناخت ہے، جہاں عظمت کی جگہ کمزوری اور بے یقینی لے لیتی ہے۔

آخری فقرہ "If he stays on here I am off" ایک عملی فیصلہ ہے، مگر اس کے اندر ایک گہرا وجودی پہلو بھی ہے: اسٹیفن اس جگہ، اس فضا، اور ان تعلقات سے نکلنا چاہتا ہے جو اسے گھیر رہے ہیں۔ یہ محض مکان چھوڑنے کا فیصلہ نہیں بلکہ ایک شناختی فرار ہے۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اس حصے کو کھولتا ہے جہاں طنز، جسمانیت، نوآبادیاتی شعور، مذہبی یادداشت اور ذاتی صدمہ ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو جاتے ہیں کہ متن ایک کثیر سطحی تجربہ بن جاتا ہے۔ یہاں زبان محض بیان کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک ایسا میدان ہے جہاں معنی مسلسل پیدا اور تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔

ابتدائی جملہ "Buck Mulligan frowned at the lather on his razorblade" بظاہر ایک معمولی حرکت ہے، مگر "frowned" ایک ایسی ناگواری یا خفگی کو ظاہر کرتا ہے جو فوراً بعد مزاح میں بدل جاتی ہے۔ یہ سنجیدگی اور مزاح کے درمیان مسلسل جھول کا آغاز ہے۔ پھر اس کا جیبیں ٹٹولنا اور "Scutter!" کہنا، ایک عوامی، تقریباً بازاری لفظ ہے، جو اس کے کردار کی طبقاتی اور ثقافتی سطح کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں زبان کا register اچانک نیچے گرتا ہے، جوائس کی کثیر الصوتی تکنیک کا حصہ۔

جب وہ اسٹیفن کے رومال کو "noserag" کہتا ہے تو یہ ایک تحقیر آمیز لفظ ہے۔ "nose" اور "rag" کا ملاپ نہ صرف جسمانیت بلکہ ایک طرح کی گندگی اور حقارت کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر جب وہ اسے "The bard's noserag" کہتا ہے تو ایک اور تضاد پیدا ہوتا ہے: "bard" یعنی شاعر، ایک بلند ادبی مقام، اور "noserag" یعنی گندا رومال۔ یوں ادب اور جسمانیت ایک دوسرے میں گھل جاتے ہیں، اور بلند و پست کی حد ٹوٹ جاتی ہے۔

"snotgreen" ایک نہایت اہم لفظ ہے۔ یہ مرکب لفظ ہے جس میں "snot" یعنی ناک کا مواد اور "green" یعنی سبز رنگ شامل ہیں۔ یہاں رنگ بھی جسمانی اور ناگوار تجربے سے جڑ جاتا ہے۔ یہ وہی سمندر ہے جسے عام طور پر شاعرانہ انداز میں بیان کیا جاتا ہے، مگر یہاں وہ گندگی اور جسمانیت کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح "scrotumtightening sea" میں جسمانی ردعمل کو منظر نگاری کا حصہ بنایا گیا ہے۔ سمندر اب ایک جمالیاتی شے نہیں بلکہ جسم پر اثر انداز ہونے والی طاقت بن جاتا ہے۔

"Epi oinopa ponton" یونانی فقرہ ہے، جس کا مطلب ہے "شرابی رنگ کا سمندر" یا "شراب جیسا گہرا سمندر"۔ یہ براہ راست اوڈیسی کی طرف اشارہ ہے، مگر مُلِگن اسے سنجیدگی سے

نہیں بلکہ ایک نمائشی علمیت کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح "Thalatta! Thalatta!" ایک تاریخی حوالہ ہے، جس کا مطلب ہے "سمندر! سمندر!" اور یہ قدیم یونانی فوجیوں کے نعرے سے لیا گیا ہے۔ مگر یہاں یہ بھی ایک ڈرامائی اداکاری بن جاتا ہے۔

مُلِگن کا جملہ "She is our great sweet mother" سمندر کو ماں کے استعارے میں بدل دیتا ہے، جو عام طور پر زندگی، پرورش اور تسکین کی علامت ہوتا ہے۔ مگر اس کے فوراً بعد اسٹیفن کی ماں کی یاد آتی ہے، جو اس استعارے کو الٹ دیتی ہے۔ یہاں "mother" ایک مہربان وجود نہیں بلکہ موت، بیماری اور گناہ کے احساس سے جڑی ہوئی ہے۔

جب مُلِگن کہتا ہے کہ خالہ سمجھتی ہے کہ اسٹیفن نے اپنی ماں کو مار دیا، تو یہ ایک نفسیاتی اور اخلاقی بوجھ کو ظاہر کرتا ہے۔ اسٹیفن کا جواب "Someone killed her" ایک گہرا ابہام رکھتا ہے۔ یہ ذاتی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے اور ایک وجودی سچ بھی، کہ موت کسی ایک کی ذمہ داری نہیں بلکہ ایک وسیع تر عمل کا نتیجہ ہے۔

مُلِگن کا اسٹیفن پر الزام کہ اس نے اپنی ماں کی آخری خواہش پر دعا نہیں کی، مذہبی اور اخلاقی دباؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں "kneel down and pray" ایک مذہبی رسم ہے، مگر اسٹیفن کا انکار اس کی بغاوت کو ظاہر کرتا ہے۔ مُلِگن کا کہنا "There is something sinister in you" اس بغاوت کو ایک تاریک، خطرناک پہلو دے دیتا ہے۔

اس کے بعد اسٹیفن کی یادداشت ایک خواب نما کیفیت میں سامنے آتی ہے۔ یہاں زبان انتہائی حسی (sensory) ہو جاتی ہے:

""wetted ashes ،odour of wax and rosewood""۔ یہ بوئیں، یہ مہکیں، موت اور زوال کی علامت ہیں۔ ماں کا جسم "wasted" ہے، یعنی تحلیل شدہ، ختم ہوتا ہوا۔ یہ منظر نہ صرف جسمانی موت بلکہ ایک جذباتی اور روحانی ٹوٹ پھوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔

آخری جملوں میں سبز رنگ بار بار آتا ہے: سمندر کا سبز، قے کا سبز، جگر کا گلنا۔ یہ سب ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ سمندر، جو زندگی کی علامت ہونا چاہیے، یہاں بیماری اور زوال سے منسلک ہو جاتا ہے۔ یوں "great sweet mother" کا استعارہ مکمل طور پر الٹ جاتا ہے۔

یہ اقتباس پہلے سے قائم طنزیہ، جسمانی اور نفسیاتی فضا کو مزید گہرا کرتا ہے، مگر اس میں ایک نیا عنصر شامل ہوتا ہے: ہمدردی اور تحقیر کا ملا جلا رویہ۔ بَک مُلِگن یہاں بیک وقت دوست بھی ہے، مذاق اڑانے والا بھی، اور ایک ایسا کردار بھی جو اسٹیفن کی کمزوریوں کو نمایاں کر کے خود کو برتر ثابت کرتا ہے۔

ابتدائی فقرہ "poor dogsbody" نہایت معنی خیز ہے۔ "dogsbody" عام طور پر ایک ایسے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دوسروں کے چھوٹے موٹے کام کرتا ہے، ایک کمتر، غیر اہم وجود۔ اس کے ساتھ "poor" کا اضافہ بظاہر ہمدردی پیدا کرتا ہے، مگر درحقیقت یہ ترحم آمیز تحقیر ہے۔ یہاں زبان دوہرا کام کرتی ہے: بظاہر نرمی، مگر اندر سے برتری کا احساس۔

"I must give you a shirt and a few noserags" میں مُلِگن خود کو ایک دینے والے، سرپرست کے طور پر پیش کرتا ہے، جبکہ اسٹیفن کو ایک محتاج، محتاجی کی حد تک کمزور شخصیت کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ "noserags" کا لفظ پھر وہی جسمانیت اور گندگی کا عنصر لے آتا ہے، جو اسٹیفن کی "bard" یعنی شاعر والی شناخت کے ساتھ ایک شدید تضاد پیدا کرتا ہے۔

"secondhand breeks" اور پھر "Secondleg they should be" ایک لسانی کھیل ہے۔ "secondhand" یعنی استعمال شدہ کپڑے، مگر مُلِگن اسے بدل کر "secondleg" کہتا ہے، جیسے یہ کپڑے پہلے کسی اور کی ٹانگوں پر تھے۔ یہاں لباس صرف لباس نہیں بلکہ شناخت کی منتقلی اور کمتر حیثیت کی علامت بن جاتا ہے۔ اسٹیفن کی شخصیت بھی گویا "دوسرے ہاتھ" کی ہے، مکمل طور پر اپنی نہیں۔

"God knows what poxy bowsy left them off" میں "poxy" بیماری اور گندگی کی طرف اشارہ کرتا ہے، جبکہ "bowsy" شرابی پن کی طرف۔ یوں کپڑے کسی نامعلوم، بیمار، بگڑے ہوئے شخص سے آئے ہوئے تصور کیے جاتے ہیں۔ اس طرح اسٹیفن کا وجود بھی ایک طرح کی آلودگی سے جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

مُلِگن کا کہنا "You'll look spiffing in them" اور پھر " you look damn well when you're dressed" ایک سطحی تعریف ہے، مگر اس کے اندر یہ مفروضہ چھپا ہے کہ اسٹیفن اپنی اصل حالت میں قابلِ قبول نہیں، اسے بہتر نظر آنے کے لیے دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک نفسیاتی برتری کا اظہار ہے۔

اسٹیفن کا جواب "I can't wear them if they are grey" نہایت اہم ہے۔ "grey" یہاں محض رنگ نہیں بلکہ سوگ، ماتم اور موت کی علامت ہے۔ اسٹیفن اپنی ماں کی موت کے بعد اس رنگ کو پہننے سے انکار کرتا ہے، جو اس کے اندرونی تضاد کو ظاہر کرتا ہے: وہ ماں کے لیے دعا نہیں کرتا، مگر اس کے سوگ سے بھی مکمل طور پر آزاد نہیں ہو پاتا۔

مُلِگن کا فقرہ "He kills his mother but he can't wear grey trousers" ایک نہایت سخت، تقریباً سفاک طنز ہے۔ یہاں "kills" لفظی قتل نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے۔ یہ جملہ اسٹیفن کے جرم کے احساس کو نمایاں کرتا ہے، اور ساتھ ہی اس کی اخلاقی پیچیدگی کو بھی مضحکہ بنا دیتا ہے۔

"Etiquette is etiquette" ایک سماجی اصول کی طرف اشارہ ہے، مگر یہاں یہ اصول بھی ایک طنز بن جاتا ہے۔ جیسے مُلِگن کہہ رہا ہو کہ تم نے اپنی ماں کے ساتھ جو کیا سو کیا، مگر سماجی آداب کی پابندی پھر بھی ضروری ہے۔ یہ جملہ اخلاقی اقدار کی کھوکھلی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔

جب مُلِگن "g.p.i." کا ذکر کرتا ہے، یعنی "General paralysis of the insane"، تو یہ طبی اصطلاح اچانک گفتگو میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں ایک بار پھر مختلف ڈسکورس آپس میں ٹکراتے ہیں: روزمرہ گفتگو، طنز، اور سائنسی زبان۔ اسٹیفن کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے یہ بیماری ہے، ایک اور تحقیر ہے، جو اسے ذہنی طور پر غیر مستحکم قرار دیتی ہے۔

"Dottyville" ایک عوامی، طنزیہ نام ہے پاگل خانے کے لیے۔ یہ بھی زبان کے رجسٹر کو نیچے لاتا ہے، اور سنجیدہ طبی حقیقت کو ایک مذاق میں بدل دیتا ہے۔

آخری فقرہ "you dreadful bard!" ایک بار پھر اسٹیفن کی شاعر والی شناخت کو طنز کا نشانہ بناتا ہے۔ "bard" ایک بلند ادبی مقام ہے، مگر "dreadful" کے ساتھ مل کر یہ ایک الٹا ہوا استعارہ بن جاتا ہے۔ اسٹیفن ایک شاعر ہے، مگر ایسا شاعر جو مضحکہ خیز، بے کار، اور ناکام ہے۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اس مقام پر آتا ہے جہاں طنز، نوآبادیاتی شعور، فنکارانہ خود آگاہی اور ذاتی صدمہ ایک پیچیدہ گتھی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں بیانیہ نہ صرف خارجی مکالمے میں ہے بلکہ اسٹیفن کے داخلی شعور میں بھی بیک وقت حرکت کر رہا ہے، اور یہی جوائس کی شعور کی رو تکنیک کی ایک نمایاں مثال ہے۔

ابتدائی منظر میں آئینہ (mirror) مرکزی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ آئینہ "cleft by a crooked crack" ہے، یعنی ایک ٹیڑھی دراڑ سے چٹا ہوا۔ لغوی سطح پر یہ ایک ٹوٹا ہوا آئینہ ہے، مگر معانیاتی سطح پر یہ شناخت کی شکستگی، خودی کی تقسیم اور ادراک کی ناقص صورت کی علامت ہے۔ اسٹیفن جب اس میں دیکھتا ہے تو وہ خود کو نہیں بلکہ "As he and others see me" دیکھتا ہے۔ یہاں "self" اور "other" کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اصل شناخت سے محروم ہے، اور جو چہرہ اسے نظر آتا ہے وہ دوسروں کی نگاہ سے تشکیل پاتا ہے۔

"Who chose this face for me?" ایک وجودی سوال ہے۔ یہ محض جسمانی صورت کے بارے میں نہیں بلکہ تقدیر، شناخت اور خودی کے تعین کے بارے میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی "This dogsbody to rid of vermin" میں وہ اپنے آپ کو ایک کمتر، گندگی صاف کرنے والے وجود کے طور پر دیکھتا ہے۔ "vermin" یعنی کیڑے مکوڑے، ایک ایسی دنیا کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو آلودہ ہے، اور اسٹیفن خود کو اس آلودگی کو صاف کرنے والے ایک کمتر وجود کے طور پر محسوس کرتا ہے۔

بَک مُلِگن کا آئینہ "چرانا" اور اس کا تعلق ایک نوکرانی (skivvy) سے ہونا ایک طبقاتی اشارہ ہے۔ یہ آئینہ اشرافیہ کا نہیں بلکہ خدمت گار کا ہے۔ اس لیے جب اسٹیفن کہتا ہے:

"It is a symbol of Irish art. The cracked looking-glass of a servant"

تو یہ ایک نہایت گہرا جمالیاتی اور سیاسی بیان ہے۔ آئرش فن اس کے نزدیک ایک ایسے آئینے کی طرح ہے جو ٹوٹا ہوا ہے، اور جو ایک محکوم، نوآبادیاتی معاشرے کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہاں فن خود ایک شکستہ، حاشیائی تجربہ بن جاتا ہے۔

"The rage of Caliban" ایک اہم بین المتونی حوالہ ہے، جو شیکسپیئر کے ڈرامے "The Tempest" کے کردار کیلیبان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیلیبان ایک محکوم، نوآبادیاتی کردار ہے، جو اپنی شناخت اور زبان سے محروم ہے۔ اس کا "اپنا چہرہ نہ دیکھ پانا" ایک گہری علامت ہے: نوآبادیاتی انسان اپنی اصل شناخت سے محروم ہو جاتا ہے۔

مُلِگن کا جملہ "Hellenise it" نہایت معنی خیز ہے۔ "Hellenise" یعنی کسی چیز کو یونانی بنانا، اسے کلاسیکی، مہذب اور اعلیٰ سطح پرلے جانا۔ مگر یہاں یہ ایک سطحی خیال ہے، جیسے آئرلینڈ کی پیچیدہ حقیقت کو صرف یونانی ثقافت کی نقل سے حل کیا جا سکتا ہو۔ یہ نوآبادیاتی ذہن کی ایک اور شکل ہے، جہاں اپنی شناخت کو چھوڑ کر کسی اور تہذیب کو اپنانا حل سمجھا جاتا ہے۔

اسٹیفن کا اندرونی جملہ "The cold steelpen" اس کے فن کی علامت ہے۔ قلم یہاں ایک ہتھیار ہے، مگر "cold" یعنی سرد، جو جذبات سے زیادہ ذہنی اور تجزیاتی ہے۔ وہ مُلِگن کے طنز سے اسی طرح ڈرتا ہے جیسے مُلِگن اس کے فن سے۔

کلائیو کیمپتھورپ کا منظر ایک یاد یا تصور ہے، جو اچانک بیانیے میں داخل ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی شعور کی رو ہے، جہاں حال اور ماضی ایک دوسرے میں گھل جاتے ہیں۔ یہاں امیر نوجوانوں کی ہنسی، مذاق اور بے حسی دکھائی دیتی ہے، جو طبقاتی فرق اور اخلاقی سطحی پن کو ظاہر کرتی ہے۔

“new paganism... omphalos” جیسے الفاظ ایک فکری اور فلسفیانہ جہت لاتے ہیں۔ “omphalos” یونانی میں “ناف” یا مرکز کو کہتے ہیں، یعنی دنیا کا مرکز۔ یہاں یہ ایک نئے، ممکنہ فکری مرکز کی تلاش کی طرف اشارہ ہے۔

آخر میں جب اسٹیفن اپنی ماں کے حوالے سے واقعہ بیان کرتا ہے، تو متن ایک انتہائی ذاتی اور جذباتی سطح پر آ جاتا ہے۔ مُلِگن کا جملہ

“only Dedalus whose mother is beastly dead”

ایک نہایت سفاک، بے حس طنز ہے۔ “beastly” یہاں محض زور دینے کے لیے نہیں بلکہ ایک طرح کی غیر انسانی بے رحمی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جہاں اسٹیفن کی خاموش تکلیف اور مُلِگن کی سطحی بے حسی کے درمیان شدید تضاد سامنے آتا ہے۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اس نکتۂ عروج کی نمائندگی کرتا ہے جہاں طنز، فلسفہ، سائنس، مذہب اور ذاتی صدمہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ایک شدید داخلی کشمکش کو جنم دیتے ہیں۔ یہاں تک مُلِگن کا لہجہ محض مذاق تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ ایک طرح کی فکری جارحیت اختیار کر لیتا ہے، جبکہ اسٹیفن کا ردِعمل اندرونی زخم اور خاموش مزاحمت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

ابتدائی سوال “what is death” بظاہر فلسفیانہ ہے، مگر مُلِگن اسے فوراً ایک عملی، تقریباً سائنسی سطح پرلے آتا ہے۔ وہ موت کو ایک روزمرہ واقعہ بنا دیتا ہے:

“I see them pop off every day... cut up into tripes in the dissectingroom”

یہاں “pop off” ایک عام، غیر سنجیدہ محاورہ ہے، جو موت کی سنجیدگی کو کم کر دیتا ہے، جبکہ “tripes” یعنی انتڑیاں، اور “dissectingroom” یعنی چیر پھاڑ کا کمرہ، جسم کو محض مادّی شے میں بدل دیتے ہیں۔ اس طرح موت کا روحانی یا مذہبی مفہوم ختم ہو کر صرف حیاتیاتی حقیقت رہ جاتا ہے۔

“It's a beastly thing and nothing else” میں “beastly” کا لفظ بار بار آتا ہے، جو مُلِگن کے لیے ایک عمومی ردِعمل ہے، مگر یہاں یہ ایک خاص معنی رکھتا ہے: انسان اور حیوان کے درمیان فرق کا مٹ جانا۔ موت ایک حیوانی عمل بن جاتی ہے، جس میں کوئی تقدس باقی نہیں رہتا۔

جب وہ کہتا ہے “It simply doesn't matter” تو یہ ایک مکمل nihilistic موقف ہے۔ یعنی موت کا کوئی اخلاقی یا جذباتی وزن نہیں۔ اس کے مقابلے میں اسٹیفن کے لیے موت ایک گہرا ذاتی اور روحانی تجربہ ہے۔

“cursed jesuit strain” ایک اہم فقرہ ہے۔ “jesuit” اسٹیفن کی مذہبی تربیت کی طرف اشارہ ہے، جبکہ “strain” یعنی خمیر یا اثر۔ مُلِگن کے نزدیک اسٹیفن کے اندر مذہب کا اثر ہے، مگر

“wrong way” میں، یعنی بگڑے ہوئے انداز میں۔ یہ مذہب اور بغاوت کے درمیان ایک پیچیدہ تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

مُلِگن کا بیان کہ ماں کے دماغی حصے کام نہیں کر رہے تھے، اور وہ ڈاکٹر کو کسی ڈرامائی کردار کے نام سے پکار رہی تھی، ایک بار پھر سنجیدگی کو توڑ دیتا ہے۔ یہاں بیماری، پاگل پن، اور موت سب ایک طنزیہ بیان میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

“Humour her till it's over” یعنی اسے بس بہلاؤ جب تک یہ ختم نہ ہو جائے، ایک انتہائی بے حس رویہ ہے، جو انسانی دکھ کو محض ایک عارضی کیفیت بنا دیتا ہے۔

“hired mute from Lalouette's” ایک ثقافتی حوالہ ہے، جو پیشہ ور نوحہ کرنے والوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مُلِگن اسٹیفن کے غم کو بھی ایک اداکاری سمجھتا ہے، جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ تمہارا دکھ بھی مصنوعی ہے۔

اسٹیفن کا جواب نہایت اہم ہے:

“I am not thinking of the offence to my mother... Of the offence to me”

یہاں وہ ماں کے بجائے اپنی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی اصل مسئلہ ماں کی بے حرمتی نہیں بلکہ اس کی اپنی شناخت، اس کی اپنی توہین ہے۔ یہ ایک وجودی موڑ ہے، جہاں ذاتی تجربہ مرکزی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

مُلِگن کا ردِعمل “an impossible person” اسٹیفن کو ایک ناقابلِ فہم، مشکل شخصیت قرار دیتا ہے۔ یہ دونوں کے درمیان فکری فاصلے کو واضح کرتا ہے۔

آگے منظر بدلتا ہے اور اسٹیفن اکیلا رہ جاتا ہے۔ یہاں بیانیہ داخلی ہو جاتا ہے۔

“Pulses were beating in his eyes... fever of his cheeks” جسمانی ردِعمل کو ظاہر کرتے ہیں، جو داخلی اضطراب کا اظہار ہے۔

جب مُلِگن کہتا ہے:

“What does it care about offences?”

تو وہ سمندر کو ایک غیر شخصی، غیر اخلاقی قوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ سمندر کے لیے انسانی دکھ اور توہین بے معنی ہیں۔ یہ ایک کائناتی بے حسی (cosmic indifference) کی علامت ہے۔

“Chuck Loyola” ایک اور اہم فقرہ ہے۔ “Loyola” جیسوئٹ آرڈر کے بانی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مذہب کو پھینک دو، چھوڑ دو۔ یہ ایک فکری دعوت ہے کہ اسٹیفن اپنے مذہبی ماضی سے نجات حاصل کرے۔

مُلِگن کے جانے کے بعد زبان ایک دم بدل جاتی ہے۔ اب ہم مکمل طور پر شعور کی رو میں داخل ہو جاتے ہیں۔

“White breast of the dim sea... wavewhite wedded words”

یہاں الفاظ خود ایک موسیقی بن جاتے ہیں۔ “w” کی تکرار ایک صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے، جیسے لہریں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہوں۔

“A hand plucking the harpstrings” آئرش ثقافت کی علامت ہے، جہاں ہارپ قومی نشان ہے۔ یہ منظر ایک جمالیاتی، تقریباً صوفیانہ کیفیت اختیار کر لیتا ہے، جہاں زبان، موسیقی اور منظر ایک ہو جاتے ہیں۔

یوں اس اقتباس میں دو دنیائیں ایک ساتھ موجود ہیں:

مُلِگن کی دنیا، جہاں ہر شے طنز، جسمانیت اور بے حسی میں بدل جاتی ہے،

اور اسٹیفن کی دنیا، جہاں درد، یاد اور جمالیاتی تجربہ ایک گہری داخلی حقیقت بن جاتے ہیں۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اس حصے کا نچوڑ ہے جہاں بیانیہ مکمل طور پر اسٹیفن کے داخلی شعور میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ یہاں خارجی دنیا تقریباً غائب ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ یاد، خواب، احساس اور زبان کی موسیقیت لے لیتی ہے۔ یہ شعور کی رو کا خالص اظہار ہے، جہاں جملے منطق کے بجائے احساس کے بہاؤ سے جڑتے ہیں۔

ابتدائی منظر میں بادل کا سورج کو ڈھانپنا ایک اہم علامت ہے۔ روشنی کا مدھم ہونا اور خلیج کا “deeper green” میں ڈوب جانا ایک داخلی تاریکی کی عکاسی کرتا ہے۔ سبز رنگ جو پہلے بھی “snotgreen” اور “bile” کے ساتھ آیا تھا، یہاں پھر ظاہر ہوتا ہے، مگر اب اس میں کڑواہٹ شامل ہے:

“a bowl of bitter waters”

یہ “پیالہ” براہِ راست پہلے والے استرے کے پیالے سے جڑتا ہے، اور ساتھ ہی ماں کے بستر کے پاس رکھے ہوئے پیالے سے بھی۔ یوں سمندر، جسم اور بیماری ایک ہی علامتی نظام میں آ جاتے ہیں۔

“Fergus' song” ایک بین المتونی حوالہ ہے، مگر یہاں یہ ذاتی یاد میں بدل جاتا ہے۔ اسٹیفن کا کہنا کہ وہ یہ گیت گھر میں اکیلے گاتا تھا، اور ماں سننا چاہتی تھی، ایک نرم، مگر دردناک یاد کو ظاہر کرتا ہے۔

“love's bitter mystery” یہاں محبت اور موت کا وہ ملاپ ہے جو اسٹیفن کے شعور کو مسلسل گھیرے ہوئے ہے۔

اس کے بعد یادیں بکھرنے لگتی ہیں:

“old featherfans, tasselled dancecards, musk, amber beads”

یہ سب اشیاء ایک گزرے ہوئے زمانے، ایک نسوانی دنیا، اور ایک ماضی کی علامت ہیں جو اب صرف یاد میں باقی ہے۔ “musk” کی خوشبو اور “amber beads” کی چمک ایک حسی فضا پیدا کرتی ہے، مگر یہ سب “locked drawer” میں بند ہے، یعنی ماضی تک رسائی محدود ہے۔

“Phantasmal mirth” یعنی بھوت جیسی ہنسی، ایک ایسی خوشی کی طرف اشارہ ہے جو اب زندہ نہیں، صرف سایہ بن کر رہ گئی ہے۔

“folded away” کا بار بار آنا یادوں کے تہہ در تہہ دب جانے کو ظاہر کرتا ہے، جیسے کپڑے تہہ کر کے رکھ دیے جائیں۔

پھر یادیں زیادہ جسمانی اور گھریلو ہو جاتی ہیں:

پانی کا گلاس، سیب، چینی، جوئیں کچلنے سے سرخ ہوئے ناخن۔

یہ سب تفصیلات ماں کو ایک حقیقی، جسمانی وجود کے طور پر پیش کرتی ہیں، نہ کہ صرف ایک علامت کے طور پر۔ یہاں محبت، محنت اور زوال ایک ساتھ موجود ہیں۔

خواب کا منظر پھر سے آتا ہے، جہاں ماں ایک بھوت کی طرح ظاہر ہوتی ہے:

"odour of wax and rosewood" اور "wetted ashes"

یہ خوشبوئیں موت، رسومات اور زوال کی علامت ہیں۔ ماں کی موجودگی ایک ملامت بن جاتی ہے، ایک خاموش الزام۔

"Her glazing eyes" یعنی شیشے جیسی آنکھیں، موت کے بعد کی بے جان نگاہ، جو پھر بھی اسٹیفن کو دیکھ رہی ہے۔

"to shake and bend my soul" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ یاد اس کی روح کو ہلا دیتی ہے، اسے جھکا دیتی ہے۔

لاطینی دعا

"Liliata rutilantium..."

یہ کیتھولک مذہبی رسم کا حصہ ہے، جو موت کے بعد روح کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ یہاں مذہب، یاد اور خوف ایک دوسرے میں گھل جاتے ہیں۔

پھر اچانک ایک جھٹکا:

"Ghoul! Chewer of corpses!"

یہ ایک خوفناک، تقریباً دہشت ناک تصور ہے، جیسے ماں ایک بھوت یا مردہ خور وجود بن گئی ہو۔ یہ اسٹیفن کے جرم کے احساس کا انتہائی اظہار ہے۔

"No, mother! Let me be and let me live"

یہ ایک چیخ ہے، ایک بغاوت، ایک درخواست۔ یہاں اسٹیفن اپنی ماں کی یاد سے آزادی چاہتا ہے، مگر وہ اس سے آزاد نہیں ہو پاتا۔

پھر اچانک بَک مُلِگن کی آواز آتی ہے، جو اس پورے داخلی منظر کو توڑ دیتی ہے۔ یہ ایک سخت کٹ ہے، جہاں خواب سے حقیقت میں واپسی ہوتی ہے۔

آخری حصے میں پیسے، شراب اور روزمرہ کی باتیں ایک بار پھر سطحی دنیا کو واپس لے آتی ہیں۔

"Four shining sovereigns" اور شراب کا ذکر ایک مادی دنیا کی نمائندگی کرتے ہیں، جو اسٹیفن کے داخلی بحران سے بالکل مختلف ہے۔

آخری جملہ نہایت اہم ہے:

"A servant too. A server of a servant."

یہ ایک وجودی بیان ہے۔ اسٹیفن خود کو ایک خدمت گار کا بھی خدمت گار سمجھتا ہے۔ یہ نہ صرف طبقاتی بلکہ روحانی اور شناختی سطح پر بھی ایک گہری بے بسی کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ اقتباس ٹاور کے بیرونی کھلے، ہوا دار اور سمندری منظر سے اچانک ایک بند، دھندلے، نیم تاریک داخلی کمرے میں منتقلی ہے۔ یہ تبدیلی محض مکانی نہیں بلکہ معنوی بھی ہے: کھلی فضا سے گھٹن، روشنی سے دھند، اور انفرادیت سے سماجی تعامل کی طرف۔

ابتدائی منظر میں "gloomy domed livingroom" ایک نیم مذہبی، نیم قبر نما فضا پیدا کرتا ہے۔ "domed" یعنی گنبد نما، جو چرچ یا مقبرے کی یاد دلاتا ہے۔ یوں رہائشی کمرہ بھی ایک طرح کا مقدس مگر بوسیدہ مقام بن جاتا ہے۔

"yellow glow" آگ کی روشنی ہے، مگر یہ گرمائش کے ساتھ ساتھ ایک بیمار، زرد کیفیت بھی رکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں "soft daylight" کی دو شعاعیں اندر آتی ہیں۔ ان کا فرش پر پڑنا اور درمیان میں دھوئیں اور چکنائی کی بو کا تیرنا ایک بصری اور حسی تضاد پیدا کرتا ہے: روشنی اور آلودگی ایک دوسرے میں گھل رہے ہیں۔

"coalsmoke and fumes of fried grease" جسمانیت، خوراک اور نچلے درجے کی زندگی کی علامت ہیں۔ یہ وہی دنیا ہے جہاں روحانیت یا جمالیات کی جگہ معدہ اور جسم لے لیتے ہیں۔

مُلِگن کا کہنا "We'll be choked" صرف دھوئیں کی شکایت نہیں بلکہ ایک استعاراتی گھٹن بھی ہے، جیسے یہ فضا ذہنی اور روحانی سطح پر بھی دباؤ ڈال رہی ہو۔

دروازہ کھلنے پر "welcome light and bright air entered" ایک لمحاتی نجات کا احساس دیتا ہے۔ یہ روشنی اور ہوا ایک عارضی آزادی ہے، مگر یہ زیادہ دیر برقرار نہیں رہتی۔

ناشتے کی تیاری میں زبان کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ یہاں مذہبی اور گھریلو عناصر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہیں:

"Bless us, O Lord" اور ساتھ ہی چائے، مکھن، شہد۔

یہ ایک طنزیہ پیروڈی ہے، جہاں مقدس دعا روزمرہ کی خوراک کے ساتھ جڑ جاتی ہے، اور تقدس اپنی سنجیدگی کھو دیتا ہے۔

"black tea" بمقابلہ "milk" بھی اہم ہے۔ اسٹیفن کا "لیموں کے ساتھ چائے" کا ذکر ایک غیر روایتی، شاید "یورپی" یا "پیرس" کا ذوق ظاہر کرتا ہے، جبکہ مُلِگن کا "Sandycove milk" ایک مقامی، دیہی شناخت کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں ذوق بھی شناخت کا حصہ بن جاتا ہے۔

مُلِگن کا مسلسل مزاح، جیسے "old mother Grogan" کے قصے، زبان کے مختلف رجسٹرز کو اکٹھا کرتا ہے: عوامی، دیہی، اور ادبی۔ یہ ایک ایسی زبان ہے جو خود اپنی سنجیدگی کا مذاق اڑاتی ہے۔

"Mabinogion" اور "Upanishads" کا ذکر ایک اہم بین المتونی طنز ہے۔ مُلِگن سنجیدہ ادبی اور مذہبی متون کو ایک معمولی گھریلو قصے کے ساتھ جوڑ کر ان کی عظمت کو کم کر دیتا ہے۔ اسٹیفن کا جواب سنجیدہ ہے، مگر اس میں بھی ہلکی سی طنز موجود ہے۔

بوڑھی عورت کا داخل ہونا ایک نہایت اہم علامتی لمحہ ہے۔

وہ محض دودھ لانے والی نہیں بلکہ ایک استعارہ ہے:

"old shrunken paps" یعنی سکڑے ہوئے پستان، ماں اور زوال کی علامت ہیں۔

"not hers" یعنی دودھ اس کا نہیں، جیسے وہ صرف ایک واسطہ ہے۔

یہ عورت آئرلینڈ کی علامت بن جاتی ہے:

ایک بوڑھی، کمزور، مگر مسلسل دینے والی۔

ایک ایسی ماں جو خود محروم ہے مگر دوسروں کو خوراک دیتی ہے۔

"a wandering crone... a messenger from the secret morning"

یہ اسے ایک اساطیری، تقریباً مافوق الفطرت حیثیت دیتا ہے۔ وہ وقت سے باہر ایک وجود ہے، جو ماضی اور حال کو جوڑتا ہے۔

"Silk of the kine" آئرش روایت میں دودھ اور مویشیوں کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایک دیہی، قدیم معیشت کی علامت ہے، جو اب جدید، نوآبادیاتی دنیا کے سامنے کمزور ہو چکی ہے۔

مُلِگن کا جملہ "collector of prepuces" ایک بار پھر مذہبی اور جسمانی طنز کو جوڑتا ہے۔ یہ ختنہ کے مذہبی عمل کو ایک مضحکہ خیز انداز میں پیش کرتا ہے، اور اس کے ذریعے مذہب کو جسمانی سطح پر گھٹا دیتا ہے۔

آخر میں مُلِگن کا تبصرہ:

"rotten teeth and rotten guts"

یہ پورے سماج کی زوال پذیری کی علامت ہے۔ خوراک، ماحول، بیماری، سب ایک ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

یوں یہ اقتباس ایک چھوٹے سے ناشتے کے منظر کو ایک وسیع علامتی نظام میں بدل دیتا ہے:

جسم اور روح، ماضی اور حال، قوم اور فرد، سب ایک ہی میز پر بیٹھے ہیں۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اس حصے کو نمایاں کرتا ہے جہاں زبان، نوآبادیاتی طاقت، مذہب، اور شناخت ایک پیچیدہ مکالمے میں سامنے آتے ہیں۔ یہاں بظاہر ایک سادہ سا منظر ہے: دودھ والی بڑھیا، چند سوالات، اور چائے کا حساب۔ مگر جوائس اس معمولی لمحے کو ایک تہذیبی اور سیاسی تناؤ میں بدل دیتا ہے۔

بوڑھی عورت کا سوال "Are you a medical student?" تک مُلِگن کو ایک اتھارٹی کے طور پر تسلیم کرنے کا اشارہ ہے۔ اس کے لیے "ڈاکٹر" یا "میڈیکل اسٹوڈنٹ" ایک ایسا وجود ہے جو جسم، بیماری اور موت پر اختیار رکھتا ہے۔ اسٹیفن کے اندرونی ردِعمل میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اس احترام سے خود کو محروم محسوس کرتا ہے:

وہ اس کی طرف جھک جاتی ہے، اس آواز کی طرف جو اونچی ہے، جو علاج کرتی ہے، جو مرنے والوں کو آخری رسومات دیتی ہے۔

یہاں "bonesetter, medicineman" روایتی اور جدید علم کا امتزاج ہیں، جبکہ اسٹیفن خود کو ایک نظر انداز شدہ وجود کے طور پر دیکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مذہب اور طب ایک طاقتور ادارہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

“shrive and oil for the grave” کیتھولک رسومات کی طرف اشارہ ہے، جہاں مرنے والے کو معافی دی جاتی ہے اور تیل لگایا جاتا ہے۔ اسٹیفن کے لیے یہ عمل بھی ایک جسمانی، تقریباً حیوانی سطح تک گر جاتا ہے:

“unclean loins... serpent's prey”

یہاں جسم، گناہ اور مذہب ایک پیچیدہ، تاریک تصور میں جڑ جاتے ہیں۔

جب اسٹیفن پوچھتا ہے:

“Do you understand what he says?”

تو یہ محض زبان کا سوال نہیں بلکہ طاقت کا سوال ہے۔

بوڑھی عورت کا جواب:

“Is it French?”

یہ اس کی لسانی بیگانگی کو ظاہر کرتا ہے۔

ہینز کا آئرش زبان بولنا ایک خاص معنی رکھتا ہے:

وہ ایک انگریز ہے، مگر آئرش زبان سیکھ رہا ہے۔

یہ ایک نوآبادیاتی تضاد ہے: حاکم زبان کو بچانے کی بات کر رہا ہے، جبکہ محکوم خود اس سے دور ہو چکا ہے۔

بوڑھی عورت کا کہنا:

“I'm ashamed I don't speak the language”

یہ ایک اجتماعی احساسِ کمتری اور کھوئی ہوئی شناخت کا اظہار ہے۔

مُلِگن کا طنز:

“he thinks we ought to speak Irish in Ireland”

یہ نوآبادیاتی منافقت پر چوٹ ہے۔

پھر منظر معاشی سطح پر آتا ہے:

چائے کا حساب، پیسے، سکے۔

یہاں زبان بدل کر مکمل طور پر عملی ہو جاتی ہے۔

“seven mornings... twopence... a shilling”

یہ حساب کتاب ایک غریب معیشت کی جھلک ہے، جہاں ہر پیسہ اہم ہے۔

مُلِگن کا سکہ نکال کر کہنا:

“A miracle!”

یہ ایک طنزیہ مذہبی حوالہ ہے، جیسے پیسہ بھی ایک معجزہ ہو۔

اسٹیفن کا کہنا:

“We'll owe twopence”

یہ اس کی سنجیدگی اور ذمہ داری کو ظاہر کرتا ہے، جو مُلِگن کے برعکس ہے۔

بوڑھی عورت کا جواب:

“Time enough”

یہ ایک دیہی، صبر آمیز وقت کا تصور ہے، جو جدید شہری جلدبازی سے مختلف ہے۔

اس کے بعد مُلِگن کا گانا اور پھر پیسے مانگنا ایک بار پھر اس کی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے:

بے فکری، طنز، اور موقع پرستی۔

“Ireland expects...”

یہ ایک جنگی نعرے کی پیروڈی ہے، جو یہاں شراب نوشی کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

مُلِگن کا اسٹیفن سے کہنا:

“monthly wash”

یہ جسمانی صفائی کو طنز کے طور پر استعمال کرتا ہے، جبکہ اسٹیفن کا جواب:

“All Ireland is washed by the gulfstream”

ایک شاعرانہ، مگر طنزیہ جواب ہے۔

یہ پورے ملک کو ایک قدرتی عمل سے جوڑ دیتا ہے، جیسے انفرادی صفائی بے معنی ہو۔

ہینز کا کہنا کہ وہ اسٹیفن کے اقوال جمع کرے گا، ایک اور نوآبادیاتی لمحہ ہے:

وہ آئرش ذہن کو ایک "مواد" کے طور پر دیکھ رہا ہے، جسے جمع اور محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں اسٹیفن کا داخلی جملہ:

“Agenbite of inwit”

یہ ایک قدیم انگریزی اصطلاح ہے، جس کا مطلب ہے "ضمیر کی خلش"۔

یہ پورے منظر کا خلاصہ ہے:

مذہب، زبان، شناخت، اور جرم کا احساس ایک ہی نقطے پر جمع ہو جاتے ہیں۔

یہ اقتباس پہلے باب کے آخری حصوں میں سے ہے جہاں مکالمہ، طنز، فلسفہ، نوآبادیاتی شعور اور ادبی حوالہ جات ایک ساتھ شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تین سطحیں بیک وقت چل رہی ہیں: معاشی حقیقت، فکری مکالمہ، اور اسٹیفن کا داخلی شعور۔

ابتدائی جملہ "cracked lookingglass of a servant" دوبارہ سامنے آتا ہے۔ یہ استعارہ اب صرف ایک فقرہ نہیں بلکہ آئرش فن اور شناخت کی علامت بن چکا ہے۔ ہینز کا کہنا کہ یہ "deuced good" ہے، ایک نوآبادیاتی رویہ ظاہر کرتا ہے: وہ آئرش فکر کو ایک دلچسپ، قابلِ جمع "مواد" کے طور پر دیکھتا ہے، نہ کہ ایک زندہ تجربہ کے طور پر۔

اسٹیفن کا سوال "Would I make any money by it?" نہایت اہم ہے۔ یہاں فن اور معیشت کا تعلق سامنے آتا ہے۔ اس کے لیے خیال کی قدر تبھی ہے جب وہ معاشی قدر میں بدل سکے۔ یہ جدید ادیب کی مجبوری ہے: تخلیق اور بقا کے درمیان کشمکش۔

مُلِگن کا ردِعمل سخت اور طنزیہ ہے۔

"You put your hoof in it" ایک محاورہ ہے، جس کا مطلب ہے موقع ضائع کرنا یا غلط بات کہہ دینا۔

وہ سمجھتا ہے کہ اسٹیفن نے ممکنہ مالی فائدہ خود خراب کر لیا۔

یہاں ایک دلچسپ تضاد بنتا ہے:

اسٹیفن دونوں کو ایک ہی سطح پر رکھتا ہے:

"From the milkwoman or from him. It's a toss up"

یعنی ایک طرف دیہی، غریب عورت، دوسری طرف نوآبادیاتی انگریز، مگر دونوں ہی ممکنہ وسائل ہیں۔ یہ ایک سرد، عملی سوچ ہے۔

مُلِگن کا کہنا "From me, Kinch" بظاہر دوستی کا اظہار ہے، مگر اس میں ایک سرپرستانہ لہجہ بھی ہے۔ وہ خود کو ایک سہارا سمجھتا ہے، مگر اس کے فوراً بعد وہ کہتا ہے کہ ان سب سے فائدہ اٹھاؤ، انہیں کھیلاؤ۔

یہ ایک موقع پرستانہ، تقریباً مکارانہ رویہ ہے۔

پھر اچانک لباس بدلنے کا منظر آتا ہے۔

"Mulligan is stripped of his garments"

یہ ایک نیم مذہبی، نیم ڈرامائی اعلان ہے، جیسے کوئی رسوماتی تبدیلی ہو رہی ہو۔

اس کے بعد الفاظ اور شناخت کا کھیل شروع ہوتا ہے:

"Contradiction. Do I contradict myself?"

یہ والٹ وٹمین کی بازگشت ہے، مگر یہاں ایک خود شعوری طنز بھی ہے۔ مُلِگن اپنی متضاد شخصیت کو خود تسلیم کرتا ہے۔

"Latin quarter hat" پیرس کے ادبی حلقے کی طرف اشارہ ہے، جو اسٹیفن کے یورپی ذہن کی علامت ہے۔

ٹاور سے باہر نکلنا ایک علامتی عمل ہے:

اندر کی بند، گھٹن زدہ فضا سے باہر کھلی دنیا کی طرف۔

مگر یہ آزادی بھی مکمل نہیں، کیونکہ معاشی اور فکری مسائل ساتھ ہی رہتے ہیں۔

"Secretary of state for war" کا ذکر ٹاور کی نوآبادیاتی حیثیت کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ جگہ محض رہائش نہیں بلکہ ایک فوجی، سامراجی ڈھانچے کا حصہ ہے۔

"Martello tower" تاریخی حوالہ ہے، مگر مُلِگن کا کہنا کہ "ours is the omphalos"

"omphalos" یعنی ناف، مرکز۔

وہ اس جگہ کو دنیا کا مرکز قرار دیتا ہے، ایک طنزیہ، مگر اہم دعویٰ۔

پھر ہیملٹ پر گفتگو شروع ہوتی ہے۔

اسٹیفن کا نظریہ پیچیدہ اور تجریدی ہے:

"algebra", "ghost of his own father"

یہاں شناخت، وقت، اور تخلیق ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔

مُلِگن اس کو مذاق میں بدل دیتا ہے۔

وہ سنجیدگی کو برداشت نہیں کرتا، اسے ہمیشہ ہلکا کر دیتا ہے۔

ہینز کا Elsinore کا حوالہ ایک اور بین المتونی ربط ہے۔

ڈنمارک کا قلعہ اور یہ ٹاور ایک دوسرے کے آئینے بن جاتے ہیں۔

اسٹیفن کا لمحاتی ادراک:

وہ خود کو "cheap dusty mourning" میں دیکھتا ہے، دوسروں کے "gay attires" کے مقابلے میں۔

یہ اس کی داخلی تنہائی اور سماجی بیگانگی کا اظہار ہے۔

آخر میں ہینز کا مذہبی تجزیہ:

"Father and Son"

یہ بائبل اور ہیملٹ دونوں کو جوڑتا ہے۔

مگر مُلِگن فوراً اسے ایک مضحکہ خیز گیت میں بدل دیتا ہے:

یہ سنجیدگی کو توڑنے کا اس کا مستقل طریقہ ہے۔

یوں یہ اقتباس فکری گہرائی اور سطحی مزاح کے درمیان ایک مسلسل کشمکش ہے، جہاں اسٹیفن معنی تلاش کر رہا ہے اور مُلِگن اسے مسلسل تحلیل کر رہا ہے۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اختتامی حصے میں فکری، مذہبی اور وجودی سطح پر اپنی انتہائی شدت کو پہنچ جاتا ہے۔ یہاں تک مُلِگن کی مزاحیہ، کارنیوالی اور تقریباً سرکس جیسی حرکات، ہینز کی نوآبادیاتی عقلیت، اور اسٹیفن کے داخلی شعور کی تاریکی ایک ساتھ موجود ہیں۔

ابتدائی نظم نما کلام میں مُلِگن خود کو ایک نیم الٰہی، نیم مضحکہ خیز شخصیت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

"If anyone thinks that I amn't divine"

یہ مسیحی دعویٰ کی پیروڈی ہے، جہاں وہ خود کو ایک مسیحا کے طور پر پیش کر رہا ہے، مگر فوراً اسے شراب، مفت مشروبات اور عام زندگی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔

یہاں مقدس اور مبتذل ایک دوسرے میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔

اس کا چٹان کی طرف دوڑنا، ہاتھوں کو پروں کی طرح ہلانا، اور Mercury (یونانی دیوتا ہرمیس) کا حوالہ، اسے ایک اساطیری اور کارنیوالی کردار میں بدل دیتا ہے۔

وہ ایک ایسا وجود ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہے، مگر اس کی پرواز محض کھیل ہے، کوئی حقیقی روحانیت نہیں۔

ہینز کا ردِعمل اہم ہے:

وہ ہنستا ہے مگر "guardedly" یعنی احتیاط سے۔

وہ کہتا ہے کہ ہمیں شاید نہیں ہنسنا چاہیے، کیونکہ یہ blasphemous ہے۔

یہاں ایک نوآبادیاتی اخلاقیات سامنے آتی ہے: وہ مذہب سے مکمل وابستہ نہیں مگر اس کی حرمت کو تسلیم کرتا ہے۔

اسٹیفن کا جواب "The ballad of joking Jesus"

مسیح کو ایک "joke" میں بدل دیتا ہے۔

یہ ایک مکمل de-sacralization ہے، یعنی تقدس کا خاتمہ۔

جب ہینز ایمان کے بارے میں سوال کرتا ہے تو اسٹیفن کا جواب نہایت اہم ہے:

"There's only one sense of the word"

یہاں وہ ایمان کو کسی پیچیدہ فلسفیانہ تقسیم کے بجائے ایک سادہ binary میں رکھتا ہے: یا ہے یا نہیں ہے۔

ہینز کا "personal God" کو نہ ماننا ایک جدید، سائنسی ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کے مقابلے میں اسٹیفن کا جواب:

"a horrible example of free thought"

یہ طنزیہ خود آگاہی ہے۔ وہ خود کو آزاد خیال کہتا ہے مگر اس آزادی میں بھی ایک اذیت ہے۔

اسٹیفن کا داخلی مونولاگ یہاں ایک بار پھر شعور کی رو میں بدل جاتا ہے۔

چابی، راستہ، قدموں کی آواز، سب علامت بن جاتے ہیں:

چابی = اختیار

راستہ = مستقبل

آواز = یاد یا تعاقب

“I paid the rent. Now I eat his salt bread.”

یہ ایک گہرا تضاد ہے:

وہ مالک بھی ہے اور محتاج بھی۔

پھر وہ کہتا ہے:

“I am a servant of two masters”

یہ بائبل کا حوالہ ہے، مگر یہاں اس کا مطلب سیاسی اور مذہبی غلامی ہے:

ایک انگریز (نوآبادیاتی ریاست)

ایک اطالوی (کیتھولک چرچ)

پھر تیسرا:

“who wants me for odd jobs”

یہ ذاتی، سماجی اور معاشی سطح پر ایک مزید غلامی کی طرف اشارہ ہے۔

جب وہ وضاحت کرتا ہے:

“the imperial British state... the holy Roman catholic church”

تو یہ پورے آئرش وجود کا خلاصہ بن جاتا ہے:

سیاسی اور مذہبی طاقتوں کے درمیان پسا ہوا فرد۔

ہینز کا جواب:

“history is to blame”

ایک عام نوآبادیاتی جواز ہے، جو ظلم کو ایک غیر شخصی عمل بنا دیتا ہے۔

آخری حصہ ایک شاندار مذہبی، تاریخی اور لسانی سیلاب ہے:

“et unam sanctam catholicam et apostolicam ecclesiam”

یہ کلیسائی عقیدے کا اعلان ہے۔

اسٹیفن کے ذہن میں چرچ کی تاریخ، بدعتی تحریکیں، اور مذہبی تنازعات ایک ساتھ ابھرتے ہیں:

Arius، Sabellius، Photius

یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقائد کو چیلنج کیا۔

یہاں چرچ ایک جنگی قوت کے طور پر سامنے آتا ہے:

“church militant”, “angel... with lances and shields”

یہ ایک روحانی فوج ہے، جو اپنے نظریات کی حفاظت کرتی ہے۔

آخر میں:

"The void awaits... them that weave the wind"

یہ ایک وجودی بیان ہے:

جو صرف الفاظ اور خیالات بُنتے ہیں، ان کے لیے خلا، بے معنویت، انتظار کر رہی ہے۔

یوں یہ اقتباس تین بڑی قوتوں کو ایک ساتھ رکھتا ہے:

مذاق، ایمان، اور خلا۔

اور اسٹیفن ان تینوں کے درمیان معلق ہے۔

یہ اقتباس پہلے باب کے اختتام کی طرف بڑھتے ہوئے ایک بار پھر فضا کو بدل دیتا ہے۔ یہاں شعور کی رو، طنز، نوآبادیاتی سیاست، جسمانیت، اور موت کی یاد ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔

ابتدائی جملہ "Hear, hear! Prolonged applause" ایک پارلیمانی یا عوامی تائیدی نعرہ ہے، مگر یہاں یہ طنزیہ ہے، جیسے کسی کھوکھلے بیانیے پر تالیاں بج رہی ہوں۔

"Zut! Nom de Dieu!" فرانسیسی جھنجھلاہٹ ہے، جو زبانوں کے امتزاج اور یورپی ثقافتی فضا کو ظاہر کرتی ہے۔

ہینز کا بیان:

"I'm a Britisher... I don't want to see my country fall into the hands of German jews"

یہ نوآبادیاتی، سامراجی اور نسل پرستانہ شعور کا اظہار ہے۔ یہاں قوم، دشمن، اور خوف ایک سیاسی بیانیہ بناتے ہیں۔ اسٹیفن کے لیے یہ سب ایک بیرونی، بیگانہ گفتگو ہے۔

پھر منظر بدلتا ہے:

چٹان، سمندر، دو آدمی۔

یہ سادہ منظر اچانک موت کے تصور سے جڑ جاتا ہے:

"The man that was drowned"

یہاں ایک نہایت طاقتور تصویری استعارہ بنتا ہے:

پھولا ہوا جسم، سفید چہرہ، سمندر میں ابھرنے کا انتظار۔

اور پھر اچانک:

"Here I am."

یہ شعور کی رو کا لمحہ ہے، جہاں اسٹیفن خود کو اس مردہ جسم سے جوڑ لیتا ہے۔

یہ شناخت کا بحران ہے: زندہ اور مردہ کے درمیان حد دھندلا جاتی ہے۔

نیچے اترنے کا عمل ایک نزول (descent) ہے، جیسے شعور مزید جسمانیت اور دنیا داری میں داخل ہو رہا ہو۔

بَک مُلِگن اور دوسرے نوجوانوں کی گفتگو مکمل طور پر سطحی، جنسی اشاروں اور سماجی گپ شپ سے بھری ہے:

"sweet young thing", "photo girl", "brief exposure"

یہاں زبان جسم، خواہش اور ہنسی مذاق کے گرد گھومتی ہے۔

مُلِگن کا جملہ:

"Redheaded women buck like goats"

ایک واضح جسمانی، حیوانی تشبیہ ہے، جو عورت کو ایک حیوانی حرکت تک محدود کر دیتی ہے۔

پھر اچانک وہ کہتا ہے:

"My twelfth rib is gone... I'm the Uebermensch"

یہ نطشے کے "Übermensch" کا طنزیہ حوالہ ہے۔

مُلِگن خود کو ایک اعلیٰ انسان کہتا ہے، مگر یہ دعویٰ محض مذاق ہے، ایک کارنیوالی خود تمسخر۔

"Toothless Kinch and I, the supermen"

یہاں وہ اسٹیفن کو بھی اس طنز میں شامل کرتا ہے، مگر اسٹیفن اس دنیا کا حصہ نہیں بنتا۔

پانی میں اترنا ایک طرح کی تطہیر (purification) یا کھیل ہے، مگر اسٹیفن اس میں شامل نہیں ہوتا۔

وہ الگ ہو جاتا ہے:

"Stephen turned away"

یہ اس کی علیحدگی، اس کی تنہائی کا اظہار ہے۔

چابی کا لین دین ایک اہم علامت ہے:

یہ پہلے بھی اختیار اور ملکیت کی علامت تھی۔

اب مُلِگن اسے لے لیتا ہے، جیسے اسٹیفن کا اختیار بھی چھن رہا ہو۔

"He who stealeth from the poor lendeth to the Lord"

یہ ایک مذہبی فقرے کی پیروڈی ہے، جسے مُلِگن مزاح میں بدل دیتا ہے، اور پھر اسے نطشے کے نام سے جوڑ دیتا ہے۔

یہ مذہب، اخلاق اور فلسفہ تینوں کا مذاق ہے۔

آخر میں:

"wild Irish"

ہینز کی نظر میں آئرش ایک عجیب، وحشی قوم ہیں۔

یہ نوآبادیاتی نگاہ ہے، جو دوسرے کو exotic اور غیر مہذب بناتی ہے۔

اسٹیفن کا آخری داخلی تاثر:

"Horn of a bull, hoof of a horse, smile of a Saxon"

یہ ایک مرکب شناخت ہے:

حیوانی، انسانی، اور نوآبادیاتی۔

یہ تین سطحیں ایک ہی تصویر میں جمع ہو جاتی ہیں۔

آخر میں مُلِگن کی آواز:

"The Ship... Half twelve"

دنیا دوبارہ روزمرہ میں واپس آ جاتی ہے: ملاقات، وقت، جگہ۔

اور اسٹیفن:

اوپر جاتی ہوئی پگڈنڈی پر اکیلا چلتا ہوا۔

یہ ایک علامتی صعود (ascent) ہے، مگر یہ بھی تنہائی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

یہ حصہ یولیسس کے پہلے باب میں شعور کی رو کو ایک نئے مرحلے میں داخل کرتا ہے، جہاں داخلی مونولاگ، مذہبی لسانیات، کلاسیکی تاریخ، اور تدریسی فضا ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔

ابتدا میں آنے والے لاطینی جملے:

لِلیاتا رُتیلانتیئُم (Liliata rutilantium)

تورما کِرکُم دیٹ (Turma circumdet)

یوبیلانتیئُم تے وِرجینُم (Iubilantium te virginum)

یہ دراصل ایک کیتھولک دعائیہ متن (liturgical chant) کا حصہ ہیں، جو مردے کے لیے دعا میں پڑھے جاتے ہیں۔ ان کا مفہوم کچھ یوں بنتا ہے:

سرخ چمکتے ہوئے مقدسین کا لشکر تمہیں گھیر لے

اور خوشی مناتی ہوئی کنواریوں کا گروہ تمہیں قبول کرے

یہاں یہ الفاظ اسٹیفن کی یاد میں گونج رہے ہیں، جو اس کی ماں کی موت کے تجربے سے جڑے ہوئے ہیں۔

مذہب یہاں تسلی نہیں بلکہ ایک haunting presence ہے، ایک ایسا سایہ جو اس کے شعور پر چھایا ہوا ہے۔

"The priest's grey nimbus"

یہاں "nimbus" تقدس کا ہالہ ہے، مگر "grey" اسے مدھم، بے جان، اور شاید منافقانہ بنا دیتا ہے۔

اسٹیفن کا جملہ:

"I will not sleep here tonight. Home also I cannot go."

یہ مکمل بے گھر ہونے، جڑ سے کٹ جانے کی حالت ہے۔ نہ ماضی، نہ حال۔

سمندر سے آنے والی آواز اور سیل (seal) کا سر ایک نیم اساطیری لمحہ پیدا کرتا ہے۔

"Usurper"

یہ ایک خود مخاطب لفظ ہے، جیسے اسٹیفن خود کو اپنی ماں کی جگہ پر قابض محسوس کر رہا ہو، یا اپنے ہی ماضی پر۔

پھر اچانک بیانیہ کلاس روم میں منتقل ہو جاتا ہے۔

یہ جوائس کے اسلوب کا خاصہ ہے: ذہنی بہاؤ بغیر کسی واضح حد کے ایک منظر سے دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔

Tarentum (ٹارینٹم) اور Asculum (اسکولم)

یہ رومی و یونانی تاریخ کے مقامات ہیں، خاص طور پر Pyrrhus کی جنگوں سے متعلق۔

Pyrrhus کا جملہ:

"Another victory like that and we are done for."

یہ "Pyrrhic victory" کا تصور ہے، یعنی ایسی جیت جو دراصل شکست کے برابر ہو۔

یہاں اسٹیفن تاریخ کو ایک جامد حقیقت نہیں بلکہ ایک بیانیہ کے طور پر دیکھتا ہے:

"Any general to any officers"

یعنی یہ واقعہ کسی ایک فرد تک محدود نہیں، بلکہ ایک عمومی انسانی pattern ہے۔

Armstrong کا "Pyrrhus, a pier" کہنا

یہ زبان کی سطحی فہم اور گہرے تاریخی شعور کے درمیان فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

طلبہ کے قہقہے "mirthless" ہیں، یعنی ان میں حقیقی خوشی نہیں بلکہ سماجی طاقت کا کھیل ہے۔

اسٹیفن کا جملہ:

"a disappointed bridge"

یہ ایک زبردست استعاراتی جملہ ہے۔

pier (گھاٹ) اور bridge (پل) کے فرق کو وہ وجودی سطح پرلے جاتا ہے:

ایک ایسا پل جو کہیں نہیں جاتا۔

پھر اسٹیفن کا ذہن فلسفے کی طرف مڑتا ہے:

ارسطو (Aristotle) کا تصور:

“actuality of the possible as possible”

یہ امکان اور حقیقت کے تعلق پر ایک گہرا فلسفیانہ سوال ہے۔

اس کے ساتھ ہی پیرس کی لائبریری سین ژنویو (Saint Genevieve) کی یاد آتی ہے، جہاں علم، تنہائی، اور فکر ایک ساتھ موجود ہیں۔

“Thought is the thought of thought”

یہ خود شعور کی خود پر انعکاسی کیفیت ہے۔

روح کو وہ “form of forms” کہتا ہے، جو ارسطو کی مابعد الطبیعاتی اصطلاح ہے۔

Talbot کی نظم Lycidas (ملٹن کی نظم)

یہ بھی موت، غم، اور نجات کے موضوعات کو جاری رکھتی ہے۔

آخر میں معما (riddle):

یہ بچوں کا کھیل ہے، مگر اس کے اندر بھی موت اور آخرت کا تصور ہے۔

مرغ کی بانگ، نیلا آسمان، اور گیارہ بجنے والی گھنٹیاں

یہ سب وقت، زندگی، اور موت کے درمیانی لمحے کو ظاہر کرتے ہیں۔

یہ حصہ Ulysses کے پہلے باب میں اسٹیفن کے شعور کو ایک نہایت گہری انسانی اور وجودی سطح تک لے جاتا ہے، جہاں تعلیم، ناکامی، ماں کی یاد، اور محبت کا سوال ایک دوسرے میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ابتدا میں معما حل ہونے کا منظر ہے۔ طلبہ کی آنکھیں پھیل جاتی ہیں، مگر جواب ایک طرح کا absurd ہے:

“The fox burying his grandmother under a hollybush”

یہ ایک بظاہر مضحکہ خیز جواب ہے، مگر اس کے اندر موت، دفن، اور فطرت کا وحشیانہ چکر پوشیدہ ہے۔ لومڑی اپنی نانی کو دفن کر رہی ہے، یعنی موت بھی ایک حیوانی، غیر رومانوی عمل بن جاتی ہے۔ اسٹیفن کی ہنسی “nervous laughter” ہے، یعنی یہ حقیقی خوشی نہیں بلکہ ایک داخلی اضطراب کا اظہار ہے، جبکہ طلبہ کی چیخیں “dismay” ہیں، وہ اس کے ساتھ نہیں بلکہ اس سے فاصلے پر ہیں۔ پھر اچانک آواز آتی ہے:

“Hockey!”

یہ روزمرہ، جسمانی دنیا کی واپسی ہے، جو ذہنی اور وجودی کشمکش کو توڑ دیتی ہے۔ طلبہ کا بھاگ جانا علم سے فرار، یا کم از کم اسٹیفن کے پیچیدہ ذہن سے فرار ہے۔

سارجنٹ ایک نہایت اہم کردار کے طور پر سامنے آتا ہے، جس کی جسمانی تفصیل، کمزور گردن، بکھرے بال، دھندلی آنکھیں اور سیاہی کا داغ، "ugliness" اور "futility" کی علامتیں بن جاتی ہیں۔ مگر اسٹیفن کا خیال اچانک بدلتا ہے:

"Yet someone had loved him"

یہاں ایک عظیم انسانی انکشاف ہوتا ہے کہ بدصورت، ناکام، کمزور انسان بھی کسی ماں کی محبت کا مرکز رہا ہے۔ اس کے ساتھ ایک بے رحم مگر حقیقت پسندانہ تشبیہ سامنے آتی ہے:

"a squashed boneless snail"

دنیا کمزور کو روند دیتی ہے، مگر ماں کی محبت اسے ایک معنی دیتی ہے۔

یہی لمحہ اسٹیفن کو اپنی ماں کی یاد کی طرف لے جاتا ہے:

"His mother's prostrate body"

"an odour of rosewood and wetted ashes"

یہ imagery موت، خوشبو، راکھ اور جسم کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتی ہے، جو ایک traumatic memory کا حصہ ہے۔ اسی تناظر میں ایک بنیادی سوال ابھرتا ہے:

"Was that then real? The only true thing in life?"

یعنی کیا ماں کی محبت ہی واحد حقیقت ہے؟ یہ ناول کے مرکزی سوالات میں سے ایک ہے۔

لومڑی کا استعارہ دوبارہ ابھرتا ہے، زمین کھودتی اور سونگھتی ہوئی، جو موت، فطرت اور بے رحم بقا کی علامت ہے۔ یہ مذہبی تصورِ آخرت کے مقابل ایک حیوانی حقیقت پیش کرتا ہے۔ اسی دوران جب اسٹیفن سارجنٹ کو سوال حل کروا رہا ہے تو وہ ریاضی کو بھی ایک ڈرامہ اور رقص کے طور پر دیکھتا ہے:

"symbols moved in grave morrice"

علامتیں ناچ رہی ہیں، جیسے کوئی رسم ہو، اور یہاں علم بھی ایک طرح کی مایا بن جاتا ہے۔ پھر وہ دو عظیم مفکرین کا ذکر کرتا ہے، ابن رشد اور موسیٰ میمونیدس، جو علم کی ایک عالمی روایت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک paradox سامنے آتا ہے:

"a darkness shining in brightness"

یعنی اندھیرا جو روشنی میں چمک رہا ہے، اور علم جو وضاحت کے بجائے مزید پیچیدگی پیدا کرتا ہے۔

اس کے بعد لاطینی اصطلاح سامنے آتی ہے:

"Amor matris"

اور اس کے ساتھ نحوی سوال:

"subjective and objective genitive"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کیا ماں محبت کرتی ہے یا ماں محبت کا موضوع ہے، اور یوں زبان جذبات کی پیچیدگی کو آشکار کرتی ہے۔

آخر میں اسٹیفن خود کو سارجنٹ سے جوڑتا ہے:

"Like him was I"

یہ نفرت سے ہمدردی تک کا سفر ہے۔ پھر اس کا بچپن اس کے ساتھ ایک عجیب فاصلے پر موجود ہوتا ہے:

"My childhood bends beside me"

اور انسانی باطن کی گہرائی یوں سامنے آتی ہے:

"Secrets... sit in the dark palaces of both our hearts"

یہ خاموش، سخت اور تھکے ہوئے راز ہیں، جو انسان کو قابو میں رکھتے ہیں، مگر خود بھی ختم ہونا چاہتے ہیں:

"tyrants, willing to be dethroned"

یہ حصہ Ulysses کے پہلے باب میں ایک نہایت اہم تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے، جہاں کلاس روم کی داخلی اور فلسفیانہ فضا سے نکل کر بیانیہ دوبارہ معاشی، سماجی اور طاقت کے رشتوں کی طرف مڑتا ہے، اور یوں تعلیم، پیسہ، اختیار اور وجودی جکڑ بندی ایک دوسرے میں گندھ جاتے ہیں۔ ابتدا میں "The sum was done." محض حساب مکمل ہونے کا جملہ نہیں رہتا بلکہ ایک علامتی اختتام بن جاتا ہے، جہاں علمی عمل تو ختم ہو جاتا ہے مگر مسئلہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ سارجنٹ کا "Yes, sir. Thanks" اطاعت اور طبقاتی نظم کا اظہار ہے، کیونکہ وہ سیکھ نہیں پایا مگر پھر بھی شکر گزار ہے، اور اسٹیفن اسے کھیل کے لیے بھیج دیتا ہے، گویا وہ اسے اس ذہنی بوجھ سے عارضی آزادی دے رہا ہے جس میں وہ ناکام تھا۔

کوریڈور میں شور، ٹیموں کی تقسیم اور ڈیسی کا بار بار کہنا "What is it now?" اختیار کی ایک ایسی صورت کو ظاہر کرتا ہے جو بظاہر مضبوط مگر حقیقت میں بے بس ہے، کیونکہ وہ حکم دیتا ہے مگر کنٹرول اس کے ہاتھ سے نکلتا رہتا ہے۔ جب اسٹیفن اسٹڈی میں داخل ہوتا ہے تو ایک دائرہ نما کیفیت محسوس ہوتی ہے، "As it was in the beginning, is now"، جو بائبل کی زبان میں جمود، تکرار اور غیر تبدیلی کی علامت بن جاتی ہے۔ "Stuart coins" تاریخ کے مردہ سرمائے کی صورت میں سامنے آتے ہیں، "base treasure of a bog"، یعنی ایسا خزانہ جو محفوظ تو ہے مگر کسی حقیقی استعمال کا حامل نہیں۔ اسی طرح "twelve apostles" کا مذہبی استعارہ یہاں مادی اشیاء کے ساتھ جڑ کر مذہب کو بھی ایک شے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

پیسہ اس حصے میں ایک مرکزی علامت کے طور پر ابھرتا ہے۔ ڈیسی کا جملہ " our little financial settlement" بظاہر سادہ ہے مگر اس میں طاقت کا رشتہ پوشیدہ ہے۔ سکوں کی گنتی "Two... Three... Three twelve" ایک رسمی اور تقریباً مذہبی عمل کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جبکہ اسٹیفن کے لیے یہ "shells... dead treasure, hollow shells" بن جاتے ہیں، جو خالی پن، ماضی اور بے معنویت کی علامت ہیں۔ جب سکہ گرتا ہے اور "bright and new" نظر آتا ہے تو یہ زندہ سرمائے کی علامت بنتا ہے، مگر اس کے ساتھ ایک اخلاقی بوجھ بھی جڑ جاتا

ہے۔ آخرکار ڈیسی کا واضح اعلان "Money is power." سرمایہ دارانہ منطق کو سامنے لاتا ہے، جس کے جواب میں اسٹیفن کا نیم طنزیہ جملہ "Mine would be often empty." اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اس نظام میں مکمل طور پر ضم نہیں ہو سکتا اور ایک فاصلے پر کھڑا رہتا ہے۔

اس اقتباس میں اسٹیفن ڈیڈلس کے شعور کی رو ایک بار پھر داخلی اضطراب، نوآبادیاتی سیاست، سرمایہ، اور تاریخی بیانیے کے درمیان جھولتی ہے، جہاں ہر لفظ اپنے ظاہری معنی سے زیادہ ایک تہہ دار معنوی بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ "ایاگو (Iago)" کا زیرِلب ادا کیا جانا محض شیکسپیئر کے ایک کردار کی یاد نہیں بلکہ دھوکے، مکاری اور اخلاقی زوال کی علامت ہے، اور اسٹیفن اس لفظ کے ذریعے مسٹر ڈیسی کے کردار کو لاشعوری طور پر اسی سانچے میں رکھ دیتا ہے۔ شیکسپیئر کا ایاگو وہ کردار ہے جو زبان کو فریب کا آلہ بناتا ہے، اور یہاں ڈیسی بھی زبان، تاریخ اور اخلاقیات کو اپنے طبقاتی و سامراجی بیانیے کے لیے استعمال کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ڈیسی کا جملہ کہ شاعر بھی تھا مگر انگریز بھی، دراصل ادب اور قومیت کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے، جہاں "انگریز ہونا" ایک اخلاقی اور تہذیبی برتری کے دعوے میں بدل جاتا ہے۔ "سمندروں کا حاکم" اس فخر کا خلاصہ ہے، جو برطانوی سامراجی طاقت کی علامت ہے، جبکہ اسٹیفن کے ذہن میں "سورج کبھی غروب نہیں ہوتا" کا جملہ ایک معروف نوآبادیاتی استعارہ ہے، جسے ڈیسی مسترد کر دیتا ہے اور اسے "فرانسیسی سیلٹ" کا قول کہہ کر رد کرتا ہے، گویا وہ انگریزی شناخت کو خالص اور خودمختار رکھنا چاہتا ہے۔ یہاں زبان، قوم اور تاریخ ایک دوسرے کے ساتھ طاقت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔

"میں نے اپنی راہ خود بنائی" ڈیسی کے لیے محض ذاتی دیانت کا اظہار نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ اخلاقیات کا اعلان ہے، جہاں قرض نہ لینا ایک اخلاقی فضیلت ہے۔ اس کے مقابل اسٹیفن کا ذہن فوراً اپنے قرضوں کی فہرست میں چلا جاتا ہے، جو اس کی معاشی اور وجودی بے بسی کو ظاہر کرتی ہے۔ یہاں "رقم" صرف مالی حقیقت نہیں بلکہ ایک بوجھ، ایک گانٹھ ہے جو اس کی جیب میں بھی ہے اور اس کے شعور میں بھی۔ ڈیسی کے نزدیک "پیسہ طاقت ہے" جبکہ اسٹیفن کے لیے یہی پیسہ آلودہ علامت بن جاتا ہے، جو لالچ اور محرومی سے جڑا ہوا ہے۔

"بڑے الفاظ" جیسے انصاف اور سخاوت، اسٹیفن کے لیے خوف کا باعث ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہی الفاظ اکثر جبر کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ڈیسی جب آئرلینڈ کی تاریخ، او کونل، قحط اور اورنج لاجز کا ذکر کرتا ہے تو وہ تاریخ کو ایک مخصوص زاویے سے پیش کرتا ہے، جہاں پروٹسٹنٹ اور نوآبادیاتی بیانیہ غالب ہے۔ اس کے مقابل اسٹیفن کے ذہن میں " Glorious, pious and immortal memory" جیسے نعرے ایک طنزیہ گونج بن کر ابھرتے ہیں، جن کے پیچھے مذہبی تشدد اور فرقہ وارانہ نفرت چھپی ہوئی ہے۔ یہاں تاریخ ایک زندہ حقیقت نہیں بلکہ ایک مسخ شدہ بیانیہ ہے، جو طاقت کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔

"Per vias rectas" یعنی سیدھے راستوں سے چلنا، ڈیسی کے لیے ایک اخلاقی اصول ہے، مگر اسٹیفن کے ذہن میں یہ ایک طنزیہ گیت "The rocky road to Dublin" میں بدل جاتا ہے، جہاں سیدھا راستہ دراصل ایک کٹھن، مضحکہ خیز اور متزلزل سفر بن جاتا ہے۔ یہ تضاد ظاہر کرتا ہے کہ اخلاقی دعوے اور عملی حقیقت کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔

ڈیسی کا خط، جو وہ اخبارات میں شائع کروانا چاہتا ہے، جدید بیوروکریسی، زرعی معیشت اور نوآبادیاتی پالیسیوں کا نمائندہ ہے۔ ""Foot and mouth disease"، "laissez faire"، "cattle

”trade“ جیسے الفاظ ایک ایسے نظام کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں انسان، جانور اور معیشت سب ایک ہی حساب کتاب کا حصہ ہیں۔ یہاں زبان ایک تکنیکی، خشک اور غیر انسانی شکل اختیار کر لیتی ہے، مگر اس کے اندر طاقت، مفاد اور سیاست کی پوری دنیا چھپی ہوتی ہے۔

اسی دوران اسٹیفن کا شعور ایک اور سطح پر حرکت کرتا ہے، جہاں گھوڑوں کی تصویریں، ریس کورس، شور، داؤ اور مقابلہ زندگی کے استعارے بن جاتے ہیں۔ “joust of life” یعنی زندگی کی جنگ، جہاں ہر کوئی ایک دوسرے سے ٹکرا رہا ہے، اور وقت خود ایک صدمے کی طرح پلٹتا ہے۔ یہاں زندگی ایک میدان جنگ ہے، جہاں فتح اور شکست، دولت اور محرومی، سب ایک ہی کھیل کا حصہ ہیں۔

یوں یہ اقتباس بیک وقت کئی سطحوں پر کام کرتا ہے: زبان بطور فریب، تاریخ بطور بیانیہ، پیسہ بطور طاقت، اور شعور بطور ایک مسلسل بہاؤ جو ان سب کو جوڑتا بھی ہے اور توڑتا بھی ہے۔

اس اقتباس میں مسٹر ڈیسی کا بیانیہ اپنی فکری اور اخلاقی ساخت میں پوری طرح کھل کر سامنے آتا ہے، اور اس کے مقابل اسٹیفن ڈیڈلس کی داخلی مزاحمت بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں زبان محض خیالات کے تبادلے کا ذریعہ نہیں بلکہ طاقت، تعصب، تاریخ اور نظریے کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ ڈیسی جب اپنی انگلی اٹھا کر ہوا میں مارتا ہے تو یہ محض ایک اشارہ نہیں بلکہ ایک خطیبانہ اتھارٹی کا اعلان ہے۔ اس کی آواز سے پہلے اس کی انگلی بولتی ہے، گویا جسم خود وعظ کا آلہ بن گیا ہو۔ یہ بوڑھے واعظ، استاد اور پدرانہ اختیار کی مشترک صورت ہے۔

جب وہ کہتا ہے کہ انگلستان یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، اور مالیات، صحافت اور اقتدار کے بلند ترین مقامات پر وہ قابض ہیں، تو یہ محض ایک سیاسی رائے نہیں بلکہ یورپی سامی دشمنی کے اس فرسودہ تخیل کا اظہار ہے جو زوال پذیر معاشروں میں ہمیشہ کسی ”دوسرے“ کو تباہی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ “Signs of a nation's decay” جیسا فقرہ اس کی فکری ساخت کو ظاہر کرتا ہے: قوم ایک جسم ہے، اس کی “vital strength” ہے، اور یہودی اس جسم کو کھا جانے والے جراثیم یا طفیلیے ہیں۔ یہ تشبیہ حیاتیاتی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔ اس میں سرمایہ، تجارت اور اقلیت ایک ہی خوف کی شبیہ میں ڈھل جاتے ہیں۔ ڈیسی کے لیے تاریخ افراد اور گروہوں کی اخلاقی صف بندی ہے، جس میں کچھ قومیں پاکیزہ اور کچھ زوال کا نشان ہیں۔

اسٹیفن یہاں فوراً ایک مختصر مگر نہایت کاٹ دار تعریف پیش کرتا ہے: تاجر وہ ہے جو سستا خریدتا اور مہنگا بیچتا ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا غیر یہودی۔ یہ جملہ ڈیسی کے نسلی اور مذہبی تعصب کو معیشت کی ایک عام تعریف میں تحلیل کر دیتا ہے۔ اسٹیفن کے لیے سرمایہ کا منطق مذہبی یا نسلی شناخت سے ماورا ہے۔ مگر ڈیسی پھر بھی روشنی اور تاریکی کی مذہبی زبان اختیار کرتا ہے۔ “They sinned against the light” میں روشنی محض اخلاقی خیر نہیں بلکہ مسیحی مکاشفے کی علامت ہے، اور “darkness in their eyes” انہیں ایک لعنت یافتہ قوم بنا دیتی ہے۔ “wanderers on the earth” میں بائبل کی بازگشت ہے، جیسے یہودی تاریخ ایک ابدی سزا ہو۔ یوں ڈیسی مذہبی روایت کو سامی دشمنی کے جواز میں بدل دیتا ہے۔

اس کے فوراً بعد اسٹیفن کے ذہن میں پیرس اسٹاک ایکسچینج کی تصویر ابھرتی ہے۔ یہ شعور کی رو کا وہ خاص لمحہ ہے جہاں بیرونی مکالمہ اندرونی تصویروں میں ٹوٹ جاتا ہے۔
“goldskinned men” اور “gabble of geese” جیسی تصویریں پیچیدہ ہیں، کیونکہ یہاں ایک

طرف بھیڑ، شور اور اجنبیت کا احساس ہے، دوسری طرف اسٹیفن ان مردوں کو مکمل طور پر ڈیسی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ ان کے کپڑے، ان کی زبان، ان کے اشارے، سب جیسے ان کے اپنے نہیں۔ ان کی "full slow eyes" ان کے ظاہری رویے کی تردید کرتی ہیں۔ یہاں ایک اہم معنوی موڑ آتا ہے: ڈیسی جہاں ان میں محض فساد اور تباہی دیکھتا ہے، اسٹیفن ان میں جلاوطنی، صبر، ذلت اور جسمانی تاریخ کا بوجھ دیکھتا ہے۔ "Their eyes knew their years of wandering" میں ایک گہری تاریخی ہمدردی ہے۔ اسٹیفن ان کے خلاف لگے ہوئے الزام کو سنتا بھی ہے اور اس کے پیچھے چھپی ہوئی تاریخی اذیت کو بھی محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مختصر جواب "Who has not?" پورے مسئلے کو عام انسانی حالت میں بدل دیتا ہے۔ کون ہے جس نے روشنی کے خلاف گناہ نہ کیا ہو، کون ہے جو زمین پر آوارہ نہ ہو۔

یہاں سے گفتگو تاریخ کے مسئلے کی طرف بڑھتی ہے۔ "History is a nightmare from which I am trying to awake" ناول کے سب سے مشہور فقروں میں سے ہے، اور اس کے اندر اسٹیفن کی پوری ذہنی اور وجودی حالت سمٹ آتی ہے۔ تاریخ اس کے لیے فخر یا اخلاقی سبق نہیں بلکہ ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ خواب کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے اندر انسان گرفتار ہوتا ہے، اس کی منطق میں الجھا رہتا ہے، اور بیداری اس سے باہر نکلنے کا نام ہے۔ اسٹیفن تاریخ سے انکار نہیں کر رہا، بلکہ اس کی جابرانہ، مسلط شدہ، تکراری ساخت سے بیدار ہونا چاہتا ہے۔ اس کے فوراً بعد کھیل کے میدان سے اٹھنے والی آواز اور سیٹی اس جملے کو ایک زمینی اور جسمانی دنیا سے جوڑ دیتی ہیں۔ گویا تاریخ کا خواب بھی روزمرہ کے شور، تصادم اور کھیل کی دنیا سے الگ نہیں۔

ڈیسی اس کے جواب میں تخلیق کار کے راستوں، انسانی تاریخ کے ایک عظیم مقصد، اور خدا کے ظہور کی بات کرتا ہے۔ یہ ایک ٹیلیالوجیکل تصور ہے، یعنی تاریخ کسی آخری مقصد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ڈیسی کے لیے تاریخ میں سمت ہے، اخلاقی مفہوم ہے، خدا کا منصوبہ ہے۔
اسٹیفن اس پورے تصور کو ایک جھٹکے سے زمین پرلے آتا ہے جب وہ کھڑکی کی طرف انگوٹھا کر کے کہتا ہے: "وہ خدا ہے" اور پھر واضح کرتا ہے کہ مراد باہر کی سڑک کا شور ہے۔ یہ ایک نہایت پیچیدہ طنز ہے۔ یا تو خدا محض انسانی شور میں تحلیل ہو چکا ہے، یا جدید دنیا میں خدا کی واحد قابلِ ادراک صورت یہی بے سمت، منتشر، عوامی آواز ہے۔ اسٹیفن خدا کو ماورائی نظم کے بجائے وقتی، حسی، غیر مرتب شور میں ڈھال دیتا ہے۔

پھر ڈیسی عورت، گناہ اور تاریخ کے تعلق پر آتا ہے۔ ہیلن، میک مرو کی بیوی، پارنل کے زوال کا ذکر، سب ایک ہی سانچے میں رکھ دیے جاتے ہیں۔ عورت یہاں تاریخ میں انتشار، جنگ اور اخلاقی سقوط کا سبب بنائی جاتی ہے۔ یہ قدیم پدرانہ بیانیہ ہے جس میں عورت فتنہ ہے، بیوفائی ہے، قوم کے زوال کی اصل محرک ہے۔ لیکن ڈیسی فوراً کہتا ہے کہ ان سب خطاؤں کے باوجود آئرلینڈ نے "وہ ایک گناہ" نہیں کیا۔ وہ اپنے آپ کو ایک "struggler" کہتا ہے، اور "Ulster will fight / And Ulster will be right" کے نعروں میں اس کا پروٹسٹنٹ یونینسٹ ذہن کھل کر سامنے آتا ہے۔ اس کے لیے سیاسی جدوجہد بھی اخلاقی حق کی جنگ ہے، اور السٹر کی مزاحمت ایک اصولی سچائی۔

اسٹیفن کے لیے یہ سب "big words" کی دنیا ہے۔ جب ڈیسی کہتا ہے کہ تم شاید یہاں زیادہ عرصہ نہ رہو، تم پیدا ہی استاد ہونے کے لیے نہیں ہوئے، تو اس میں ایک جزوی ادراک بھی ہے اور ایک پدرانہ فیصلہ بھی۔ اسٹیفن کا جواب "A learner rather" ایک معمولی تصحیح نہیں بلکہ اس کی بنیادی خود آگاہی ہے۔ وہ خود کو سکھانے والے سے زیادہ سیکھنے والا سمجھتا ہے، مگر

یہ سیکھنا بھی رسمی ادارہ جاتی تعلیم نہیں۔ ڈیسی کی نصیحت کہ سیکھنے کے لیے عاجزی چاہیے اور زندگی ہی بڑی استاد ہے، ایک عام اخلاقی قول ہے، مگر اسٹیفن کے تجربے میں زندگی استاد کم اور زخم زیادہ ہے۔

ڈیسی کا خط، اخبارات، مویشیوں کی بیماری، محکمانہ اثر و رسوخ، انجمنوں کے اجلاس، یہ سب نوآبادیاتی-زرعی آئرلینڈ کی اس دنیا کو سامنے لاتے ہیں جہاں قوم، معیشت اور بیوروکریسی ایک دوسرے سے جڑی ہیں۔ اسٹیفن کا "Telegraph. Irish Homestead." کہنا بھی محض نام لینا نہیں بلکہ اس کی ذہنی مختصر نویسی ہے، جیسے دنیا سرخیوں اور اشاریوں میں سمٹ گئی ہو۔ وہ وعدہ تو کرتا ہے، مگر اندر سے مکمل وابستگی نہیں رکھتا۔ اس کی شائستگی اور فاصلے میں ایک ساتھ شرکت اور انکار دونوں ہیں۔

آخر میں جب ڈیسی دوبارہ اسے بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ آئرلینڈ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے کبھی یہودیوں پر ظلم نہیں کیا، تو اس کے بعد آنے والا سوال "کیا تم جانتے ہو کیوں؟" پورے اقتباس میں سامی دشمنی کے اس دھاگے کو دوبارہ باندھ دیتا ہے۔ اسٹیفن کی ابھرتی ہوئی مسکراہٹ نہایت معنی خیز ہے۔ یہ مسکراہٹ اتفاق کی نہیں، پیش بینی کی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جواب تعصب، جہالت یا خود فریبی کی کسی نئی شکل میں سامنے آئے گا۔ یہاں اسٹیفن کی خاموش ذہانت، طنزیہ فاصلہ اور ڈیسی کے وعظی تعصب کے درمیان مکمل تضاد قائم ہو جاتا ہے۔

اس طویل اقتباس میں جوائس اسٹیفن کے شعور کو ایک ایسی مسلسل رو میں بہاتا ہے جہاں بیرونی منظر، حسی تجربہ، فلسفیانہ تجرید، مذہبی یادداشت، خاندانی طنز، جنسی خواہش، خود تمسخر، اور تہذیبی حوالہ سب ایک دوسرے میں اس طرح سرایت کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی سخت حد قائم نہیں رہتی۔ یہی اس حصے کی بنیادی فنی خاصیت بھی ہے اور معنوی مرکز بھی۔ یہاں لفظ محض کسی شے کا نام نہیں لیتا بلکہ اسے ایک علامتی اور حسی میدان میں رکھ دیتا ہے۔ اسٹیفن سمندر کنارے چل رہا ہے، مگر اس کے لیے چلنا بھی فلسفیانہ مسئلہ بن جاتا ہے، دیکھنا بھی، سننا بھی، یاد کرنا بھی، اور خود ہونا بھی۔

ابتدا میں مسٹر ڈیسی کا قہقہہ اور اس کا سامی دشمن فقرہ ایک بے ہودہ، بوڑھی، مگر پختہ تعصب کا اظہار ہے۔ "وہ انہیں کبھی اندر آنے نہیں دیتی تھی" بظاہر ایک مذاق ہے، مگر اس کے پیچھے آئرلینڈ، انگلستان، قوم، اجنبیت، اور اخراج کی سیاسی منطق چھپی ہوئی ہے۔ اس کے بعد جوائس اسٹیفن کو فوراً بیرونی مکالمے سے نکال کر ایک داخلی فلسفیانہ مراقبے میں لے جاتا ہے۔ "Ineluctable modality of the visible" کو اسٹیفن آنکھوں سے سوچتا ہے۔ یہ دیکھنے کی ناگزیر کیفیت ہے، یعنی انسان دنیا کو دیکھنے سے بچ نہیں سکتا، اور جو کچھ دنیا میں موجود ہے وہ اپنی صورت، رنگ، سطح، زنگ، سڑن، جھاگ، بوٹ، گھاس، اور سمندری کچرے کی شکل میں نشانوں کی مانند اس کے سامنے بکھرا ہے۔ "Signatures of all things" میں ہر شے ایک دستخط، ایک نشان، ایک مرموز عبارت ہے جسے پڑھنا ہے۔ یہ اسٹیفن کے فنکارانہ اور فلسفیانہ شعور کا بنیادی موقف ہے۔ دنیا زبان سے پہلے بھی ایک متن ہے۔

سیاہی مائل سبز، نیلا چاندی، زنگ آلود سرخ، یہ سب محض رنگ نہیں بلکہ وجود کے اشارے ہیں۔ اسٹیفن رنگ کو مادے سے الگ نہیں دیکھتا۔ "Limits of the diaphane" کہہ کر وہ شفافیت اور جسمانیت کے فلسفیانہ فرق کو چھوتا ہے۔ "اگر تم اپنی پانچ انگلیاں اس میں ڈال سکتے ہو تو وہ پھاٹک ہے، ورنہ دروازہ" میں ایک بچگانہ لطیفہ بھی ہے اور ادراک کے مادی امتحان کی ایک سادہ مگر گہری صورت بھی۔ "آنکھیں بند کرو اور دیکھو" میں جوائس ایک عظیم تضاد قائم

کرتا ہے۔ اسٹیفن دیکھنے کے مسئلے کو بینائی سے نہیں بلکہ شعور کے دوسرے حواس سے جانچنا چاہتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کرتا ہے تو آوازیں روشن ہو جاتی ہیں۔ خولوں اور سمندری گھاس پر بوٹوں کی چٹخ اس کے لیے "the ineluctable modality of the audible" بن جاتی ہے۔ یوں بصری اور سمعی دونوں کو وہ وجودی فلسفے کی دو راہوں میں بدل دیتا ہے۔

جرمن اصطلاحات "nacheinander" اور "nebeneinander" وقت اور مکان کی ترتیب کا فلسفیانہ حوالہ ہیں۔ ایک کے بعد ایک، اور ایک کے ساتھ ایک۔ اسٹیفن انہیں اپنے قدموں، اپنے جسم، اپنے جوتوں، اپنے گرنے کے امکان، اور چٹان کے کنارے کے خوف سے جوڑتا ہے۔ یہاں محض فلسفہ نہیں بلکہ جسمانی خطرہ بھی ہے۔ اگر وہ آنکھیں کھولے اور ہمیشہ کے لیے سیاہ لاشفافیت میں ہو؟ "Basta!" کہہ کر وہ خود کو چونکاتا ہے۔ یہ سب ادراک کے مسئلے کو حقیقی خطرے سے جوڑ دیتا ہے۔ فلسفہ یہاں مجرد نہیں، جسمانی ہے۔

پھر عورتیں نمودار ہوتی ہیں۔ "Frauenzimmer" کا استعمال اسٹیفن کی زبان میں ایک بیرونی، غیر مانوس، قدرے طنزیہ جرمن آہنگ لاتا ہے۔ دائی کا تھیلا، حاملہ پن، ناف، ولادت، مٹی، دودھ، بوڑھی عورت، گائے کا تھن، سب مل کر ماں، پیدائش اور جسمانی تخلیق کا ایک استعارتی سلسلہ بناتے ہیں۔ "Creation from nothing" کا مسیحی عقیدہ یہاں ایک دائی کے تھیلے، ایک بگڑی ہوئی ولادت، اور نال کے ساتھ زمین پر کھینچے جاتے جسم میں ٹوٹ جاتا ہے۔ جوائس تخلیق کے مابعد الطبیعیاتی تصور کو مادی، خون آلود، نسوانی، اور حیاتیاتی عمل میں بدل دیتا ہے۔ "The cords of all link back" میں نال اور نسل، جسم اور تاریخ، فرد اور کائنات سب ایک ہی رسی میں بندھ جاتے ہیں۔

"Will you be as gods? Gaze in your omphalos." یہاں omphalos یعنی ناف، یونانی روایت کا مرکز، اور آدم و حوا کی بائبلی کہانی، سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حوا کی ناف نہیں تھی، کیونکہ وہ پیدا نہیں کی گئی تھی۔ مگر اسٹیفن خود کو "wombed in sin darkness" کہتا ہے۔ وہ "made not begotten" کے مسیحی الٹ فقرے کو اپنی پیدائش پر لاگو کرتا ہے، گویا وہ خود ایک الٹی تخلیق ہے۔ باپ کی آواز، ماں کی راکھ آلود سانس، جسمانی اختلاط، اور ازلی ارادہ، سب ایک فکری بھنور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہاں اریوس، کلیسائی عقیدہ، consubstantiality، بدعت، اور مزاح ایک ساتھ موجود ہیں۔ "contransmagnificandjewbangtantiality" جیسی مسخ شدہ ترکیب میں جوائس عقیدے کی زبان، سامی دشمنی کی بازگشت، اور مضحکہ آمیز لسانی دھماکے کو ایک بنا دیتا ہے۔ یہ صرف لفظی کھیل نہیں بلکہ مذہبی زبان کی سنجیدگی کا مضحکہ خیز انہدام ہے۔

مانانان کے سفید ایال والے سمندری گھوڑے آتے ہوئے موجوں کی صورت ہیں۔ فضا، اساطیر، اور حس ایک ہو جاتے ہیں۔ مگر اسٹیفن اچانک خود کو خط، اخبار، شِپ ہوٹل، وقت، پیسے، اور عملی دنیا کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہی جوائس کی بڑی تکنیک ہے کہ عظیم فکری یا اساطیری پرواز کو وہ فوراً روزمرہ کی چھوٹی حقیقتوں سے باندھ دیتا ہے۔ "go easy with that money like a good young imbecile" میں اسٹیفن کا خود تمسخر بھی ہے اور غربت کا شعور بھی۔

پھر خالہ سارہ، چچا رچی، خاندان، غربت، گھٹن، گھنٹی، دروازہ، قرض خواہ سمجھے جانے کا خوف، یہ سب خاندانی زوال اور ادنیٰ سماجی دنیا کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں اسٹیفن کی خاندانی تاریخ عظمت نہیں بلکہ مضحکہ، تنگی، اور ٹوٹے ہوئے احترام کی تاریخ ہے۔ "Highly respectable gondoliers!" اور "Jesus wept" جیسے فقروں میں طنز کی تلخی، خاندانی بے بسی، اور مذہبی اظہار کی کمزوری ایک ہو جاتی ہے۔

چچا رچی کے بستر، اس کی وہسکی کی طلب، اس کا آدھا دھلا جسم، وائلڈ کی Requiescat، اور اوپیرا کی سٹی بجاتی ہوئی آواز، یہ سب بوسیدہ عظمت کے نشان ہیں۔ " Houses of decay, mine, his and all" میں اسٹیفن گھر کو محض رہائش نہیں بلکہ زوال کے ڈھانچے کے طور پر دیکھتا ہے۔ مارش کی لائبریری، یواخیم عباس، دیوانگی کا جنگل، گھوڑا چہرہ لوگ، ڈین، باسیلیسک نگاہ، مذبح، لاطینی دعائیں، "jackpriests"، گندم کے گردوں کی چربی، یہ سب کلیسا، تعلیم، اور ثقافت کو ایک بوسیدہ، جسمانی، اور مسخ شدہ صورت میں واپس لاتے ہیں۔

پھر ایک ساتھ کئی گرجا گھروں میں قربانی کی روٹی بلند ہونے، محفوظ ہونے، منہ میں رکھی جانے کی آوازیں "Dringdring" بن جاتی ہیں۔ یہ مذہبی رسم ایک صوتی مشین میں بدل جاتی ہے۔ Occam، hypostasis، diphthong، یہ سب منطق، الہیات، اور صوتیات کی دنیا کو ایک گرجا کی گھنٹی میں سمیٹ دیتے ہیں۔ اسٹیفن کی روحانیت ٹوٹ چکی ہے، مگر مذہبی زبان اور رسم اب بھی اس کے شعور میں گونجتی ہے۔ وہ نہ اس سے باہر ہے نہ اس کے اندر۔

پھر خود تمسخر کا ایک طویل سلسلہ آتا ہے۔ سرخ ناک نہ ہونے کی دعا، عورتوں کی رانیں دیکھنے کی ہوس، ہاؤتھ ٹرام پر "naked women" کی چیخ، کتابوں کے عنوان، epiphanies، اسکندریہ کی لائبریری، Pico della Mirandola، مہامانوترا، یہ سب نوجوان اسٹیفن کی خود رومانوی، خود مقدس، خود ادبی شخصیت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جوائس یہاں فنکار کی خود ساختہ عظمت کو بھی معاف نہیں کرتا۔ اسٹیفن اپنے ماضی کے خود پر ہنستا بھی ہے اور اس سے الگ بھی نہیں ہو پاتا۔

آخر میں زمین، گیلے تختے، خول، کھوئی ہوئی آرمادا، انسانی راکھ، پیشاب اور گندگی کی بو، بندرگاہ، جال، سوکھتی ہوئی قمیصیں، "Human shells"، یہ سب انسان اور ملبے کو ایک ہی ساحلی منظر میں ملا دیتے ہیں۔ انسان بھی خول ہیں، باقیات ہیں، گزرے ہوئے سمندری جہازوں اور بندرگاہی گندگی کی مانند۔ اور پھر کیون ایگن، پیرس، گرم دودھ، Michelet، Leo Taxil، یہ سب اسٹیفن کے فکری اور انقلابی رابطوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مگر وہ بھی ایک آدھے خواب، آدھی یاد، آدھی شکست کی حالت میں۔

یہ سارا اقتباس اسٹیفن کے ذہن کا ایک عظیم بہاؤ ہے جہاں دنیا کو دیکھنا، اس میں چلنا، اسے یاد کرنا، اس سے بیزار ہونا، اور اس سے معنی اخذ کرنا سب ایک ساتھ ہوتا ہے۔ یہی جوائس کا کمال ہے کہ وہ فلسفے کو ریت پر چلنے کی آواز، مذہب کو گھنٹی کی بازگشت بھری تکرار، اور یاد کو بو، رنگ، مٹی، دودھ، نال اور راکھ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اس حصے میں جوائس کی نثر اپنے انتہائی پیچیدہ، تہہ دار اور شعور کی رو کے بھرپور بہاؤ میں داخل ہو جاتی ہے جہاں بیرونی واقعہ تقریباً تحلیل ہو کر داخلی تجربے، حسی ادراک اور فکری تجزیے میں بدل جاتا ہے۔ ابتدا میں مسٹر ڈیسی کا جملہ کہ آئرلینڈ نے یہودیوں کو اس لیے نہیں ستایا کہ اس نے انہیں اندر آنے ہی نہیں دیا، بظاہر ایک سادہ طنز ہے مگر دراصل یہ اخلاقی فخر کی ایک مضحکہ خیز تنسیخ ہے۔ یہاں "عدم ظلم" کو "عدم قبولیت" میں بدل دیا گیا ہے، یعنی رواداری کی جگہ اخراج کو فضیلت بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی کھانسی اور قہقہہ جسمانی زوال، بلغم اور آواز کے ساتھ ایک ایسی جسمانیت پیدا کرتے ہیں جو اس کے نظریاتی دعووں کو بھی کسی حد تک مضحکہ خیز بنا دیتی ہے۔

اسی مقام سے اسٹیفن کا ذہن مکمل طور پر اندر کی طرف مڑ جاتا ہے اور " ineluctable modality of the visible" جیسا جملہ سامنے آتا ہے۔ یہاں "ineluctable" کا مطلب ہے وہ جس

سے بچنا ممکن نہ ہو، اور "modality of the visible" یعنی نظر آنے والی دنیا کا لازمی طریقہ یا صورت۔ اسٹیفن کے لیے دنیا کو سمجھنے کا پہلا ذریعہ آنکھ ہے، اور وہ ہر شے کو "signatures" یعنی نشانیوں کے طور پر پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سمندر کی جھاگ، کائی، زنگ آلود جوتا، سب رنگوں اور اشکال کی صورت میں معنی رکھتے ہیں۔ یہ ایک نیم فلسفیانہ، نیم حسی تجربہ ہے جس میں ارسطو اور اسکولاستک فکر کی بازگشت بھی موجود ہے۔ " limits of the diaphane" میں شفافیت کی حدوں کا سوال اٹھتا ہے، یعنی وہ کیا ہے جس کے پار دیکھا جا سکتا ہے اور کیا ہے جو ٹھوس ہے۔ اسٹیفن اس کو ایک جسمانی تجربے سے جوڑتا ہے، سر ٹکرا کر چیزوں کو جاننے سے۔ یہاں علم محض نظری نہیں بلکہ جسمانی تصادم سے پیدا ہوتا ہے۔

آنکھیں بند کرنے کا تجربہ اسے سمعی دنیا میں لے جاتا ہے جہاں قدموں کی آواز، خولوں کا چرچرانا، وقت اور جگہ کے تعلق کو نئے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ جرمن الفاظ "nacheinander" اور "nebeneinander" وقت اور مکان کی ترتیب کو ظاہر کرتے ہیں، ایک کے بعد ایک اور ایک کے ساتھ ایک۔ یوں بصری ادراک کے بعد سمعی ادراک کی "ineluctable modality" سامنے آتی ہے۔ یہ پورا حصہ ادراک کی فلسفیانہ تحلیل ہے مگر اسے خشک فلسفے کے بجائے تجرباتی شعور میں ڈھالا گیا ہے۔

اس کے بعد اچانک روزمرہ کی دنیا داخل ہوتی ہے، عورتیں، دائی، پیدائش، ناف، جسم، ماں اور تخلیق کا تصور۔ یہاں اسٹیفن وجود کے سوال کو مذہبی، حیاتیاتی اور اساطیری حوالوں سے جوڑتا ہے۔ "Creation from nothing" کے ساتھ ہی ماں کے جسم، خون اور دودھ کا ذکر اس تخلیق کو مادی بنا دیتا ہے۔ پھر آدم، حوا، گناہ، اور اپنی پیدائش کا احساس ایک ایسے وجودی بحران میں بدل جاتا ہے جہاں وہ خود کو "made not begotten" کہتا ہے، یعنی تخلیق شدہ مگر غیر مقدس طریقے سے۔ باپ، ماں، اور الوہیت کے درمیان تعلق یہاں مبہم اور بے یقینی کا شکار ہے۔

آریئس، تھیالوجی، اور کلیسائی مباحث کا ذکر اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسٹیفن کی ذہنی ساخت میں مذہبی فلسفہ ابھی تک موجود ہے مگر وہ اسے طنز اور شکستگی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اسی طرح سمندر، لہریں، گھوڑے، اور دیوتا منانان کی اساطیری جھلکیں شعور میں آتی جاتی ہیں، جیسے تاریخ، مذہب اور فطرت ایک ہی تسلسل میں بہہ رہے ہوں۔

اس کے بعد اچانک ذہن دوبارہ روزمرہ کی طرف پلٹتا ہے، خط، ملاقات، پیسہ، خاندان، طنزیہ یادیں، غربت، بھوک، پیرس کے تجربات، زبانوں کا اختلاط، فرانسیسی، لاطینی، انگریزی، سب ایک ساتھ بہتے ہیں۔ یہاں زبان خود ایک کولاژ بن جاتی ہے۔ اسٹیفن کی شناخت بھی اسی طرح ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، طالب علم، جلاوطن، بیٹا، ادیب بننے کا خواہش مند۔

پیرس کی یادیں حسی شدت سے بھری ہیں، کھانا، کیفے، لوگ، سیاست، قومیت، جنسی اشارے، سب ایک ساتھ۔ یہاں یورپ ایک تجربہ ہے، ایک فریب بھی اور ایک کشش بھی۔ کیون ایگن جیسے کردار کے ذریعے جلاوطنی، بغاوت اور ناکامی کی داستان سامنے آتی ہے۔ یہ سب اسٹیفن کے اپنے ممکنہ مستقبل کے عکس ہیں۔

آخر میں منظر دوبارہ ساحل کی طرف آتا ہے جہاں ریت، لاش، کتا، سمندر، سب ایک مادی حقیقت کے طور پر سامنے ہیں۔ کتا یہاں ایک اہم علامت ہے، جبلت، تلاش، موت اور بقا کی۔ اس کا مردہ کتے کے گرد گھومنا، سونگھنا، کھودنا، ایک حیوانی مگر گہرا عمل ہے۔ اس کے مقابل اسٹیفن انسانی اخلاق، خوف اور موت کے سوال سے دوچار ہے، خاص طور پر ڈوبنے والے آدمی

کی یاد کے ساتھ۔ “I could not save her” میں ماں کی موت کا گہرا احساس بھی شامل ہے۔ پانی یہاں زندگی اور موت دونوں کا استعارہ ہے۔

یہ پورا حصہ شعور کی رو، فلسفہ، مذہب، جسم، تاریخ، زبان اور یادداشت کا ایک پیچیدہ جال ہے جس میں کوئی ایک مرکز نہیں بلکہ مسلسل بہاؤ ہے۔ جوائس یہاں بیانیہ کو توڑ کر ذہن کی اصل حرکت کو گرفت میں لینے کی کوشش کرتا ہے۔

اس اقتباس میں جوائس کا اسلوب اپنے انتہائی پیچیدہ، کثیر سطحی اور شعوری بہاؤ کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے جہاں زبان محض بیان نہیں بلکہ خود ایک تجربہ بن جاتی ہے۔ “Passing now” سے آغاز ایک لمحاتی حرکت کو ظاہر کرتا ہے مگر فوراً ہی یہ حرکت خارجی سے داخلی میں بدل جاتی ہے۔ اسٹیفن کا اپنے ہیٹ کو “Hamlet hat” کہنا خود شناسی اور کردار سازی کا اشارہ ہے، جیسے وہ خود کو شیکسپیئر کے المیہ ہیرو کی طرح دیکھ رہا ہو۔ “If I were suddenly naked” میں وجودی برہنگی کا تصور ہے، مگر وہ فوراً اس کی نفی کرتا ہے، یعنی حقیقت اور امکان کے درمیان جھول۔

سمندر، مد، چاند اور خون کی تصاویر ایک حیاتیاتی اور کائناتی ربط قائم کرتی ہیں۔
“winedark sea” یونانی رزمیہ روایت کی بازگشت ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسٹیفن کی شعوری دنیا میں کلاسیکی متن زندہ ہیں۔ “handmaid of the moon” میں مد و جزر کو نسوانی، حیاتیاتی اور کائناتی قوت کے طور پر دیکھا گیا ہے، جو نیند، بیداری، پیدائش، ازدواج اور موت کے بستروں کو آپس میں جوڑ دیتی ہے۔ “Omnis caro ad te veniet” میں لاطینی مذہبی متن کی گونج ہے، جس سے گوشت، فنا اور الوہیت کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔

ویمپائر کی تصویر، منہ سے منہ کا اتصال، اور خون آلود سمندر ایک نیم جنسی، نیم موت آلود استعارہ بناتے ہیں جہاں خواہش اور فنا ایک دوسرے میں مدغم ہیں۔ اس کے فوراً بعد تحریر کا عمل، کاغذ، خط اور نوٹس کا ذکر شعور کو عملی دنیا میں واپس لاتا ہے، مگر یہ واپسی بھی مکمل نہیں، کیونکہ ہر عمل کے ساتھ تصوراتی پرتیں جڑی رہتی ہیں۔

“ineluctable manshape” میں انسان اپنی شکل سے بھی آزاد نہیں ہو سکتا، یعنی وجود ایک ناگزیر قید ہے۔ “Who will read these words” میں تحریر، قاری اور وقت کا مسئلہ اٹھتا ہے، جیسے معنی ہمیشہ مؤخر ہے، کہیں کسی کے لیے۔ برکلے کے “veil of space” کا حوالہ ادراک کے فلسفے کو شامل کرتا ہے، جہاں دنیا رنگوں کی سطح پر نظر آتی ہے مگر فاصلہ ذہن کی تخلیق ہے۔

عورت کا تصور یہاں بار بار آتا ہے، کبھی خواہش، کبھی یاد، کبھی فریب کے طور پر۔ “Touch me” کی تکرار ایک شدید تنہائی اور جسمانی و جذباتی قربت کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔ مگر یہ خواہش بھی فوری طور پر طنز اور خود احتسابی میں بدل جاتی ہے، جیسے اسٹیفن اپنے ہی جذبے پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

پیرس کی یاد، دوستوں کے حوالے، غربت، بھوک، ادب، سب ایک ساتھ جڑے ہیں۔ کیون ایگن اور کرینلی جیسے کردار اسٹیفن کی زندگی کے مختلف امکانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہاں شناخت ایک مستحکم شے نہیں بلکہ مسلسل بنتی اور ٹوٹتی ہوئی حالت ہے۔

سمندر کا منظر دوبارہ سامنے آتا ہے، جہاں لہریں، لاش، مچھلیاں، بدبو، سب مل کر ایک حیاتیاتی چکر بناتے ہیں۔ "God becomes man becomes fish" میں وجود ایک مسلسل تبدیلی ہے، کوئی مستقل شکل نہیں۔ موت بھی زندگی کے تسلسل کا حصہ ہے۔

آخر میں روشنی، بادل، بجلی، لوسیفر، سب ایک ساتھ آتے ہیں۔ عقل کو بھی ایک طرح کی بجلی کہا گیا ہے، مگر وہ بھی زوال پذیر ہے۔ دانت، جسم، بیماری، سب اس مادی وجود کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور آخر میں جہاز کا منظر، خاموش حرکت، ایک اور سفر، ایک اور امکان۔

یہ پورا متن شعور، جسم، تاریخ، مذہب، زبان اور کائنات کے درمیان ایک مسلسل بہاؤ ہے جس میں کوئی حتمی مرکز نہیں بلکہ صرف حرکت ہے۔

خلاصہ

پہلے باب پر اب تک کی لغوی اور معنوی تحلیل کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو جو تصویر سامنے آتی ہے وہ کسی سیدھے بیانیے کی نہیں بلکہ ایک منتشر مگر مربوط شعور کی ہے، ایک ایسے ذہن کی جو بیک وقت خود کو، تاریخ کو، مذہب کو اور مادی دنیا کو سمجھنے کی کوشش میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھی ایک وحدت قائم رکھتا ہے۔ یہ باب دراصل اسٹیفن ڈیڈلس کے ذہنی کائنات کا نقشہ ہے، جہاں خارجی دنیا محض محرک ہے اور اصل واقعہ اس کے اندر وقوع پذیر ہوتا ہے۔

لغوی سطح پر جوائس زبان کو روایتی بیانیہ کے تابع نہیں رکھتا بلکہ اسے آزاد کر دیتا ہے۔ الفاظ اپنے لغوی معنی سے آگے بڑھ کر صوتی، بصری اور ثقافتی حوالوں کا جال بناتے ہیں۔ لاطینی، فرانسیسی، یونانی اور انگریزی کا امتزاج اس بات کی علامت ہے کہ اسٹیفن کی شناخت کسی ایک لسانی یا قومی دائرے میں مقید نہیں۔ یہی کثیر لسانی ساخت اس کے ذہن کی پیچیدگی کو ظاہر کرتی ہے۔ الفاظ کبھی ٹوٹتے ہیں، کبھی جڑتے ہیں، کبھی محض آواز بن جاتے ہیں، جیسے "seesoo, hrss" یا "ooeeehah"، اور یوں زبان خود شعور کے بہاؤ کا حصہ بن جاتی ہے۔

معنوی سطح پر یہ باب تین بڑے تناؤوں کے گرد گھومتا ہے۔ پہلا تناؤ وجود اور شناخت کا ہے۔ اسٹیفن خود کو مسلسل دیکھتا، پرکھتا اور رد کرتا ہے۔ "میں کون ہوں" کا سوال یہاں کسی فلسفیانہ تجرید کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ تجربے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کا جسم، اس کی یادیں، اس کی غربت، اس کی تعلیم، سب اس کی شناخت کو بناتے اور توڑتے ہیں۔
"ineluctable modality" جیسے تصورات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انسان اپنی حسی حدود سے باہر نہیں جا سکتا، مگر وہ ان حدود کو سمجھنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔

دوسرا بڑا تناؤ مذہب اور شک کا ہے۔ مذہبی جملے، لاطینی حوالہ جات، بائبل کی بازگشت بار بار آتی ہے مگر ہر بار ایک فاصلے کے ساتھ۔ اسٹیفن مذہب کو ایک زندہ تجربہ نہیں بلکہ ایک ورثہ، ایک بوجھ، ایک گونج کے طور پر محسوس کرتا ہے۔ "Omnis caro ad te veniet" یا " Et vidit Deus" جیسے فقرے اس کے ذہن میں موجود ہیں مگر ان کے ساتھ ایک طرح کی اجنبیت بھی ہے۔ وہ خدا کو ماننے اور نہ ماننے کے درمیان معلق ہے، اور یہی معلق حالت اس کے فکری بحران کی بنیاد ہے۔

تیسرا تناؤ جسم اور ذہن، خواہش اور گناہ کا ہے۔ عورت کی شبیہ بار بار ابھرتی ہے، کبھی خواہش کے طور پر، کبھی یاد کے طور پر، کبھی خوف کے طور پر۔ "Touch me" کی پکار اس کی

تنہائی اور جسمانی قربت کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے، مگر فوراً ہی یہ خواہش شرم، طنز یا خود احتسابی میں بدل جاتی ہے۔ یہاں جنسیت کوئی سادہ جذبہ نہیں بلکہ ایک پیچیدہ، تضاد سے بھرا تجربہ ہے جس میں مذہبی اخلاقیات، ذاتی احساسات اور سماجی دباؤ سب شامل ہیں۔

اس باب میں سمندر ایک مرکزی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ محض ایک منظر نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک قوت ہے جو زندگی، موت، یاد اور وقت سب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ مد و جزر کا عمل انسانی شعور کے اتار چڑھاؤ سے جڑ جاتا ہے۔ ڈوبی ہوئی لاش کا تصور، پانی کا بہاؤ، کائی کا اٹھنا اور گرنا، سب ایک ایسے چکر کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں زندگی اور موت الگ نہیں بلکہ ایک ہی تسلسل کے دو رخ ہیں۔

اسی طرح تاریخ کا تصور بھی اس باب میں ایک بوجھ کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اگرچہ یہ جملہ دوسرے حصے میں واضح طور پر آتا ہے کہ تاریخ ایک ڈراؤنا خواب ہے، مگر اس باب میں بھی اس کے آثار موجود ہیں۔ اسٹیفن کے ذہن میں یونانی اساطیر، عیسائی روایات، آئرش سیاست اور ذاتی یادیں سب ایک ساتھ موجود ہیں۔ وہ ان سب سے نجات چاہتا ہے مگر ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔

آخر میں اس باب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کوئی حتمی نتیجہ نہیں۔ نہ کوئی واضح پلاٹ، نہ کوئی فیصلہ کن انجام۔ اس کے بجائے ایک مسلسل حرکت ہے، ایک بہاؤ، جس میں شعور، زبان، یاد اور تجربہ سب شامل ہیں۔ اسٹیفن ایک ایسے مقام پر کھڑا ہے جہاں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر کسی ایک چیز کو تھام نہیں پا رہا۔ یہی اس کی طاقت بھی ہے اور اس کی کمزوری بھی۔

یوں پہلا باب ایک کردار کا تعارف نہیں بلکہ ایک ذہن کی تعمیر اور اس کی شکست دونوں کو بیک وقت پیش کرتا ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ جدید انسان کی شناخت کوئی مستحکم شے نہیں بلکہ ایک مسلسل عمل ہے، ایک جدوجہد، ایک بے چین تلاش۔

یولیسسز : ٹیلیماکس (باب اول)

مصنف : جیمز جوائس

مترجم: محمد عامر حسینی

باوقار، بھرے جسم کا بَک مُلِگن سیڑھیوں کے سرے سے نمودار ہوا، ہاتھ میں جھاگ سے بھرا پیالہ اٹھائے ہوئے جس پر آئینہ اور استرا صلیب کی صورت میں ایک دوسرے پر رکھے تھے۔ اس کا زرد ڈریسنگ گاؤن، بے بند، نرم صبح کی ہوا میں اس کے پیچھے ہلکے سے لہرا رہا تھا۔ اس نے پیالہ بلند کیا اور ترنم سے کہا:
میں خدا کے مذبح کی طرف داخل ہوں گا۔

وہ رکا، پیچ دار اندھیری سیڑھیوں میں جھانکا اور بھدے انداز میں پکارا:
اوپر آؤ، کنچ! اوپر آؤ، تم ڈرے ہوئے جیسوئٹ!

پھر سنجیدگی سے آگے بڑھا اور گول توپ دان پر چڑھ گیا۔ اس نے رخ پھیر کر سنجیدگی کے ساتھ تین بار برج، اردگرد کی زمین اور جاگتے ہوئے پہاڑوں کو برکت دی۔ پھر جب اس کی نظر اسٹیفن ڈیڈالس پر پڑی تو وہ اس کی طرف جھکا اور تیزی سے ہوا میں صلیب کے نشان بنانے لگا، گلے میں غرغرہٹ سی پیدا کرتے ہوئے اور سر ہلاتے ہوئے۔ اسٹیفن ڈیڈالس، ناخوش اور نیند آلود، سیڑھی کی چوٹی پر بازو ٹیکے کھڑا تھا اور سرد نگاہ سے اس کانپتے، غرغراتے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو اسے برکت دے رہا تھا، لمبائی میں گھوڑے جیسا، اور اس کے ہلکے، بے مونڈھے بالوں کو، جن کی بافت اور رنگت پھیکے بلوط کی لکڑی جیسی تھی۔

بَک مُلِگن نے ایک لمحے کو آئینے کے نیچے جھانکا، پھر پھرتی سے پیالہ ڈھانپ دیا۔
واپس بیرک میں! اس نے سختی سے کہا۔

پھر واعظ کے لہجے میں اضافہ کیا:
کیونکہ، اے عزیزو، یہی اصل مسیحی حقیقت ہے: جسم، روح اور خون، اور اونس بھی۔ آہستہ موسیقی، مہربانی! آنکھیں بند کر لو، حضرات! ایک لمحہ۔ ان سفید خلیوں کے بارے میں ذرا سی دقت ہے۔ خاموشی، سب!

وہ ترچھی نظر سے اوپر دیکھنے لگا اور ایک لمبی، آہستہ سی سیٹی بجائی، پھر کچھ دیر محویت سے ٹھہرا رہا، اس کے یکساں سفید دانت کہیں کہیں سنہری نقطوں کے ساتھ چمک رہے تھے۔ کرسوسٹوموس۔ خاموشی میں دو تیز، بلند سیٹیاں جواب میں سنائی دیں۔

شکریہ، پرانے دوست! اس نے پھرتی سے کہا۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ ذرا کرنٹ بند کر دو گے؟

وہ توپ دان سے پھرتی سے اترا اور اپنے دیکھنے والے کی طرف سنجیدگی سے دیکھا، اپنے لباس کی ڈھیلی تہیں ٹانگوں کے گرد سمیٹتے ہوئے۔ اس کا بھرا ہوا، سایہ دار چہرہ اور بوجھل بیضوی جبڑا قرون وسطیٰ کے کسی مذہبی پیشوا، فنون کے سرپرست، کی یاد دلاتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر آہستگی سے ایک خوشگوار مسکراہٹ ابھری۔

یہ تو سراسر مذاق ہے، اس نے خوش دلی سے کہا۔ تمہارا نام، کیسا مضحکہ خیز، کوئی قدیم یونانی۔

اس نے دوستانہ شوخی سے انگلی اٹھائی اور فصیل کی طرف بڑھ گیا، خود ہی ہنستا ہوا۔
اسٹیفن ڈیڈالس اٹھا، تھکن سے اس کے پیچھے آدھے راستے تک گیا اور توپ دان کے کنارے پر بیٹھ گیا، اسے دیکھتا ہوا جب وہ آئینہ فصیل پر ٹکا کر، برش پیالے میں ڈبو کر، گالوں اور گردن پر جھاگ ملنے لگا۔

بَک مُلِگن کی شوخ آواز جاری رہی۔
میرا نام بھی کم مضحکہ خیز نہیں، مالاچی مُلِگن، دو دَیکٹِل۔ مگر اس میں ایک یونانی آہنگ ہے، ہے نا؟ اچھلتا، روشن، جیسے خود بَک۔ ہمیں ایتھنز جانا چاہیے۔ اگر میں اپنی خالہ سے بیس پاؤنڈ نکلوا لوں تو کیا تم ساتھ چلو گے؟

اس نے برش ایک طرف رکھا اور خوشی سے ہنستے ہوئے پکارا۔
آئے گا وہ؟ یہ کم مایہ جیسوئٹ!

خاموش ہو کر وہ احتیاط سے شیو بنانے لگا۔

مجھے بتاؤ، مُلِگن، اسٹیفن نے دھیمے سے کہا۔
ہاں، میرے عزیز؟
یہ ہینز اس برج میں کب تک رہے گا؟

بَک مُلِگن نے اپنے دائیں کندھے کے اوپر سے آدھا منڈا ہوا گال دکھایا۔
خدا کی قسم، کیسا خوفناک آدمی ہے، اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ایک بھاری بھرکم سیکسن۔ اسے لگتا ہے تم کوئی شریف آدمی نہیں ہو۔ خدا کی قسم، یہ لعنتی انگریز، پیسے سے بھرے ہوئے اور بدہضمی سے بھی۔ کیونکہ وہ آکسفورڈ سے آیا ہے۔ تم جانتے ہو، ڈیڈالس، تم میں اصل آکسفورڈ والا انداز ہے۔ وہ تمہیں سمجھ ہی نہیں پاتا۔ اوہ، تمہارے لیے میرا نام سب سے اچھا ہے، کنچ، چاقو کی دھار۔

وہ ٹھوڑی پر احتیاط سے استرا پھیرنے لگا۔

وہ ساری رات ایک سیاہ چیتے کے بارے میں بڑبڑاتا رہا، اسٹیفن نے کہا۔ اس کی بندوق کا ڈبہ کہاں ہے؟
ایک بدحال پاگل، مُلِگن نے کہا۔ کیا تم ڈر گئے تھے؟

میں ڈر گیا تھا، اسٹیفن نے زور دے کر کہا، اور اس کے لہجے میں خوف بڑھنے لگا۔ یہاں اندھیرے میں، ایک ایسے آدمی کے ساتھ جسے میں جانتا تک نہیں، جو خود سے باتیں کرتا، بڑبڑاتا، ایک سیاہ چیتے کو گولی مارنے کی باتیں کر رہا ہو۔ تم نے لوگوں کو ڈوبنے سے بچایا ہے۔ میں بہرحال کوئی ہیرو نہیں ہوں۔ اگر وہ یہاں ٹھہرا رہا تو میں چلا جاؤں گا۔

بَک مُلِگن نے استرے کی دھار پر جمی جھاگ کو دیکھ کر تیوری چڑھائی۔ وہ اپنے ٹھکانے سے اچھل کر نیچے اترا اور جلدی جلدی اپنی پتلون کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔
اوہ لعنت! وہ بھاری آواز میں بولا۔

وہ توپ دان کے پاس آیا اور اسٹیفن کی اوپری جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا،
اپنا رومال ادھار دو، ذرا استرا صاف کرنا ہے۔

اسٹیفن نے اسے اجازت دی کہ وہ ایک میلا، سلوٹوں بھرا رومال نکالے اور کونے سے پکڑ کر ہوا میں دکھائے۔ بَک مُلیگن نے صفائی سے استرے کی دھار پونچھ لی۔ پھر رومال کے اوپر سے جھانکتے ہوئے بولا،
شاعر کا رومال! ہمارے آئرش شاعروں کے لیے ایک نیا رنگ، ناک بہتا سبز۔ تم تقریباً اس کا ذائقہ چکھ سکتے ہو، ہے نا؟

وہ پھر فصیل پر چڑھ گیا اور ڈبلن کی خلیج کی طرف دیکھنے لگا، اس کے ہلکے بلوطی بال ہلکی ہوا میں ذرا سے ہلے۔

خدا کی قسم، اس نے دھیمے سے کہا، کیا سمندر وہی نہیں جسے الجی کہتا ہے، ایک سرمئی، میٹھی ماں؟
ناک بہتا سبز سمندر۔
خصیوں کو سکیڑ دینے والا سمندر۔
ایپی اوینوپا پونتون۔
آہ، ڈیڈالس، یونانی! مجھے تمہیں سکھانا ہوگا۔ تمہیں انھیں اصل زبان میں پڑھنا چاہیے۔ تھیلاتا! تھیلاتا! وہ ہماری عظیم، شیریں ماں ہے۔ آؤ، دیکھو۔

اسٹیفن اٹھا اور فصیل کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس پر جھک کر اس نے پانی کو دیکھا اور اس ڈاک کشتی کو جو کنگسٹاؤن کی بندرگاہ کے دہانے سے نکل رہی تھی۔

ہماری عظیم ماں، بَک مُلیگن نے کہا۔

وہ اچانک مڑا اور اپنی سرمئی، کھوجتی آنکھیں سمندر سے ہٹا کر اسٹیفن کے چہرے پر جما دیں۔
خالہ سمجھتی ہے تم نے اپنی ماں کو مار ڈالا، اس نے کہا۔ اسی لیے وہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھنے دیتی۔

کسی نے اسے مارا، اسٹیفن نے اداسی سے کہا۔

تم گھٹنے ٹیک سکتے تھے، کمبخت کنچ، جب تمہاری مرتی ہوئی ماں نے تم سے کہا تھا، بَک مُلیگن نے کہا۔ میں بھی تمہاری طرح شمالی ہوں۔ مگر یہ سوچو کہ تمہاری ماں اپنی آخری سانسوں میں تم سے گڑگڑا رہی تھی کہ گھٹنے ٹیک کر اس کے لیے دعا کرو۔ اور تم نے انکار کر دیا۔ تم میں کچھ منحوس ہے۔

وہ رک گیا اور اپنے دوسرے گال پر ہلکے سے دوبارہ جھاگ ملنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک برداشت بھری مسکراہٹ آ گئی۔

مگر کیسا خوبصورت اداکار، وہ زیرِلب بولا۔ کنچ، سب سے دلکش اداکار۔

وہ خاموشی سے، سنجیدگی کے ساتھ، برابر اور احتیاط سے شیو بناتا رہا۔

اسٹیفن، کہنی نوکیلے گرینائٹ پر ٹکائے، اپنی پیشانی پر ہتھیلی رکھے، اپنے سیاہ چمکدار کوٹ کی آستین کے ادھڑے کنارے کو دیکھتا رہا۔ ایک درد، جو ابھی محبت کا درد نہیں تھا، اس کے دل کو کچوکے لگا رہا تھا۔ خاموشی میں، خواب کی طرح، وہ اس کے پاس آئی تھی، اپنی موت کے بعد، اس کا لاغر جسم اپنے ڈھیلے بھورے کفن جیسے کپڑوں میں لپٹا ہوا، موم اور عود کی مہک دیتا ہوا، اس کی سانس، جو اس کی طرف جھکی تھی، خاموش، ملامت بھری، بھیگی راکھ کی ہلکی سی بو لیے ہوئے۔

اس ادھڑے کف کے پار اسے وہ سمندر دکھائی دیا جسے اس کے پہلو میں کھڑی خوش خوراک آواز ایک عظیم شیریں ماں کہہ رہی تھی۔ خلیج کا حلقہ اور افق ایک مدھم سبز سیال پھیلاؤ کو تھامے ہوئے تھے۔ سفید چینی کا ایک پیالہ اس کے بسترِ مرگ کے پاس رکھا تھا، جس میں وہ سبز، سست پتّہ جمع تھا جسے وہ اپنی گلتی ہوئی جگر سے تڑپتے ہوئے کراہوں کے ساتھ قے کر کے نکالتی رہی تھی۔

بَک مُلِگن نے ایک بار پھر استرے کی دھار پونچھی۔
آہ، بیچارے خدمت گزار، اس نے نرم لہجے میں کہا۔ مجھے تمہیں ایک قمیص اور چند رومال دینے ہوں گے۔ وہ دوسرے ہاتھ کی پتلونیں کیسی ہیں؟

ٹھیک ہی آتی ہیں، اسٹیفن نے جواب دیا۔

بَک مُلِگن نے نچلے ہونٹ کے نیچے کے کھوکھلے حصے پر استرا چلایا۔
یہ بھی کیا مذاق ہے، اس نے اطمینان سے کہا۔ انہیں دوسرے ہاتھ کی نہیں، دوسری ٹانگ کی کہنا چاہیے۔ خدا جانے کس آلودہ شرابی نے انہیں اتارا ہوگا۔ میرے پاس ایک نہایت خوبصورت جوڑا ہے، باریک دھاری والا، سرمئی۔ تم ان میں بہت جچو گے۔ میں مذاق نہیں کر رہا، کنچ۔ تم جب کپڑے پہنتے ہو تو خاصے اچھے لگتے ہو۔

شکریہ، اسٹیفن نے کہا۔ اگر وہ سرمئی ہیں تو میں نہیں پہن سکتا۔

وہ نہیں پہن سکتا، بَک مُلِگن نے آئینے میں اپنے چہرے سے کہا۔ آداب تو آداب ہیں۔ ماں کو مار ڈالتا ہے مگر سرمئی پتلون نہیں پہن سکتا۔

اس نے استرا سلیقے سے تہہ کیا اور انگلیوں کے نرم لمس سے اپنی ہموار جلد کو ٹٹولا۔

اسٹیفن نے سمندر سے نگاہ ہٹا کر اس بھرے چہرے کی طرف دیکھا، جس کی دھواں سی نیلی متحرک آنکھیں تھیں۔

وہ شخص جس کے ساتھ میں کل رات شپ میں تھا، بَک مُلِگن نے کہا، کہتا ہے تمہیں جی پی آئی ہے۔ وہ ڈاٹی وِل میں ہے، کونولی نارمن کے ساتھ۔ دیوانگی کا عمومی فالج۔

اس نے آئینے کو ہوا میں نیم دائرے میں گھمایا تاکہ خبر کو اس روشنی میں پھیلا دے جو اب سمندر پر چمک رہی تھی۔ اس کے مڑے ہوئے، منڈھے ہوئے ہونٹ ہنس رہے تھے، اس کے سفید چمکتے دانتوں کے کنارے بھی۔ ہنسی نے اس کے مضبوط، گٹھے ہوئے بدن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

اپنے آپ کو دیکھو، اس نے کہا، تم ہولناک شاعر۔

اسٹیفن آگے کو جھکا اور اس آئینے میں جھانکا جو اس کے سامنے تھاما گیا تھا، ایک ٹیڑھی دراڑ سے چٹا ہوا۔ بال کھڑے ہوئے۔ جیسے میں خود کو دیکھتا ہوں، اور جیسے دوسرے مجھے دیکھتے ہیں۔ یہ چہرہ میرے لیے کس نے چنا؟ یہ کم تر وجود، جو کیڑوں مکوڑوں کو صاف کرنے کے لیے ہے۔ یہ بھی مجھ سے یہی پوچھتا ہے۔

میں نے اسے نوکرانی کے کمرے سے اڑا لیا تھا، بَک مُلِگن نے کہا۔ اس کے لیے تو یہ ٹھیک ہے۔ خالہ ہمیشہ مالاچی کے لیے سادہ شکل کی خادمائیں رکھتی ہے۔ اسے آزمائش میں نہ ڈال۔ اور اس کا نام ارسولا ہے۔

وہ پھر ہنسا اور آئینہ اسٹیفن کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا لیا۔

کیلیبان کا غصہ کہ وہ اپنا چہرہ آئینے میں نہیں دیکھ سکتا، اس نے کہا۔ کاش وائلڈ زندہ ہوتا کہ تمہیں دیکھتا۔

پیچھے ہٹ کر اور اشارہ کرتے ہوئے اسٹیفن نے تلخی سے کہا:

یہ آئرش فن کی علامت ہے۔ ایک نوکر کا ٹوٹا ہوا آئینہ۔

بَک مُلِگن نے اچانک اسٹیفن کا بازو اپنے بازو میں ڈال لیا اور اسے برج کے گرد لے کر چلنے لگا، اس کا استرا اور آئینہ جیب میں ٹکراتے ہوئے۔

تمہیں اس طرح چھیڑنا مناسب نہیں، کنچ، ہے نا؟ اس نے نرمی سے کہا۔ خدا جانتا ہے تم میں ان سب سے زیادہ روح ہے۔

پھر ایک وار، اور روکا گیا۔ وہ میرے فن کی نوک سے ڈرتا ہے جیسے میں اس کی سے۔ سرد فولادی قلم۔

نوکر کا ٹوٹا ہوا آئینہ۔ یہ بات نیچے والے اس امیر صاحب سے کہو اور اس سے ایک گنی جھٹک لو۔ وہ پیسے سے سڑا ہوا ہے اور سمجھتا ہے تم کوئی شریف آدمی نہیں۔ اس کے باپ نے زولوؤں کو جلاب بیچ کر یا کسی اور دھوکے سے پیسہ بنایا تھا۔ خدا کی قسم، کنچ، اگر تم اور میں اکٹھے کام کر سکیں تو ہم اس جزیرے کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ اسے یونانی بنا دیں۔

کرینلی کا بازو۔ اس کا بازو۔

اور سوچو کہ تمہیں ان سوروں سے مانگنا پڑتا ہے۔ صرف میں جانتا ہوں تم کیا ہو۔ تم مجھ پر زیادہ اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟ کیا یہ ہینز ہے؟ اگر وہ یہاں کوئی شور مچائے گا تو میں سیمور کو لے آؤں گا اور ہم اس کی ایسی خبر لیں گے جیسی انہوں نے کلائیو کیمپتھورپ کی لی تھی۔

پیسے والوں کی جوان آوازوں کی چیخیں، کلائیو کیمپتھورپ کے کمروں میں۔ پیلے چہرے، پسلیاں پکڑے ہنسی سے دوہرے، ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے۔ اوہ، میں مر جاؤں گا۔ اسے آہستہ سے خبر دو،

اوبری۔ میں مر جاؤں گا۔ قمیص کی کٹی ہوئی پٹیاں ہوا میں لہراتی، وہ میز کے گرد اچھلتا، لڑکھڑاتا، پتلون ایڑیوں تک گری ہوئی، میگڈالن کے ایڈیز اس کے پیچھے درزی کی قینچی لیے دوڑتے ہوئے۔ ایک ڈرا ہوا بچھڑے کا چہرہ، مربے سے سنہرا کیا ہوا۔ میں ننگا نہیں ہونا چاہتا۔ میرے ساتھ یہ بے وقوفی نہ کرو۔

کھلی کھڑکی سے اٹھتی چیخیں، صحن کی شام کو چونکا دیتی ہوئی۔ ایک بہرا مالی، ایپرن پہنے، میتھیو آرنلڈ کے چہرے کا ماسک لگائے، اپنی مشین کو اداس گھاس پر چلاتا، باریکی سے کٹتی گھاس کے ذروں کو دیکھتا ہوا۔ اپنے لیے۔ نئی بت پرستی۔ مرکز۔

اسے رہنے دو، اسٹیفن نے کہا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں، سوائے رات کے۔

پھر کیا ہے؟ بَک مُلِگن نے بے صبری سے کہا۔ صاف صاف کہو۔ میں تم سے بالکل کھلا ہوں۔ اب تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے؟

وہ رک گئے، بری ہیڈ کے اس کند، آگے نکلے ہوئے سرے کی طرف دیکھتے ہوئے جو پانی پر ایک سوئی ہوئی وہیل کی تھوتھنی کی طرح پڑا تھا۔ اسٹیفن نے آہستگی سے اپنا بازو چھڑا لیا۔

کیا تم چاہتے ہو میں تمہیں بتاؤں؟ اس نے پوچھا۔

ہاں، کیا ہے؟ بَک مُلِگن نے جواب دیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔

وہ اسٹیفن کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جب وہ بول رہا تھا۔ ایک ہلکی ہوا اس کی پیشانی سے گزری، اس کے سنہرے، بے ترتیب بالوں کو نرمی سے ہلاتی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں بے چینی کی چاندی سی جھلک پیدا کرتی ہوئی۔

اسٹیفن، اپنی ہی آواز سے بوجھل ہو کر، بولا:

کیا تمہیں وہ پہلا دن یاد ہے جب میں اپنی ماں کی موت کے بعد تمہارے گھر آیا تھا؟

بَک مُلِگن نے جلدی سے تیوری چڑھائی اور کہا:

کیا؟ کہاں؟ مجھے کچھ یاد نہیں۔ مجھے صرف خیالات اور احساسات یاد رہتے ہیں۔ کیوں؟ خدا کے نام پر کیا ہوا تھا؟

تم چائے بنا رہے تھے، اسٹیفن نے کہا، اور مزید گرم پانی لینے کے لیے برآمدے کی طرف گئے تھے۔ تمہاری ماں اور کوئی مہمان ڈرائنگ روم سے باہر آئیں۔ اس نے تم سے پوچھا تمہارے کمرے میں کون ہے۔

ہاں؟ بَک مُلِگن نے کہا۔ میں نے کیا کہا تھا؟ مجھے یاد نہیں۔

تم نے کہا تھا، اسٹیفن نے جواب دیا، اوہ، وہ تو صرف ڈیڈالس ہے جس کی ماں نہایت بری طرح مر چکی ہے۔

ایک سرخی، جس نے اسے کچھ کم عمر اور زیادہ دلکش بنا دیا، بَک مُلِگن کے گال پر ابھری۔

کیا میں نے یہ کہا تھا؟ اس نے پوچھا۔ اچھا؟ اس میں کیا برائی ہے؟

اس نے جھٹکے سے اپنی جھجھک کو اپنے اندر سے ہٹا دیا۔

اور موت کیا ہے، اس نے پوچھا، تمہاری ماں کی یا تمہاری یا میری اپنی؟ تم نے صرف اپنی ماں کو مرتے دیکھا ہے۔ میں انہیں ہر روز میٹر اور رچمنڈ میں مرتے دیکھتا ہوں اور چیر پھاڑ کے کمرے میں انتڑیوں کی طرح کاٹے جاتے ہوئے۔ یہ ایک حیوانی شے ہے اور کچھ نہیں۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ تم اپنی ماں کے بسترِ مرگ پر اس کے کہنے پر گھٹنے ٹیک کر دعا بھی نہ کر سکے۔ کیوں؟ کیونکہ تمہارے اندر وہ ملعون جیسوئٹ خمیر ہے، بس غلط سمت میں گھسا ہوا۔ میرے لیے یہ سب ایک مذاق ہے، ایک گھٹیا چیز۔ اس کے دماغ کے حصے کام نہیں کر رہے تھے۔ وہ ڈاکٹر کو سر پیٹر ٹیزل کہہ رہی تھی اور لحاف سے پیلے پھول توڑ رہی تھی۔ اسے بہلاؤ جب تک یہ سب ختم نہ ہو جائے۔ تم نے اس کی آخری خواہش کو اس کی موت میں رد کر دیا اور اب مجھ سے ناراض ہو کہ میں کسی کرائے کے ماتم کرنے والے کی طرح بین نہیں کرتا۔ مضحکہ خیز۔ شاید میں نے یہ کہا تھا۔ میرا ارادہ تمہاری ماں کی یاد کی توہین کرنا نہیں تھا۔

وہ خود اپنی باتوں سے جرات میں آ گیا تھا۔ اسٹیفن، ان زخموں کو جو ان الفاظ نے اس کے دل میں کھول دیے تھے، چھپاتے ہوئے، نہایت سرد لہجے میں بولا:
میں اپنی ماں کی توہین کے بارے میں نہیں سوچ رہا۔

تو پھر کس کے بارے میں؟ بَک مُلِگن نے پوچھا۔

اپنی توہین کے بارے میں، اسٹیفن نے جواب دیا۔

بَک مُلِگن ایڑی کے بل گھوما۔
اوہ، ناممکن آدمی، وہ پکارا۔

وہ تیزی سے فصیل کے گرد چلتا ہوا دور ہو گیا۔ اسٹیفن اپنی جگہ کھڑا رہا، پرسکون سمندر کے پار اُس خشکی کے سرے کی طرف دیکھتا ہوا۔ سمندر اور وہ سرا اب مدھم پڑنے لگے۔ اس کی

آنکھوں میں دھڑکنیں تھیں جو نظر کو دھندلا رہی تھیں، اور اس نے اپنے گالوں میں حرارت محسوس کی۔

برج کے اندر سے ایک آواز بلند ہوئی:
اوپر ہو، مُلِگن؟

میں آ رہا ہوں، بَک مُلِگن نے جواب دیا۔

وہ اسٹیفن کی طرف مڑا اور کہا:
سمندر کو دیکھو۔ اسے ان توہینوں سے کیا لینا دینا؟ لوئیولا کو چھوڑو، کنچ، اور نیچے آ جاؤ۔ وہ انگریز اپنے ناشتے کا گوشت چاہتا ہے۔

اس کا سر ایک لمحے کے لیے سیڑھی کے اوپری کنارے پر رکا، چھت کے برابر۔
سارا دن اس پر مت کڑھتے رہو، اس نے کہا۔ میں غیر مستقل ہوں۔ اس اداس سوچ میں ڈوبے رہنے کو چھوڑ دو۔

اس کا سر غائب ہو گیا مگر اس کی اترتی ہوئی آواز سیڑھیوں میں گونجتی رہی:
اور اب نہ مڑو اور نہ ٹھہرو
محبت کے تلخ بھید پر
کیونکہ فرگس کانسی کے رتھوں پر حکومت کرتا ہے

لکڑیوں کے سائے خاموشی سے صبح کی سکون میں تیرتے ہوئے سیڑھیوں کے سرے سے سمندر کی طرف گزرے جہاں وہ دیکھ رہا تھا۔ کنارے کے قریب اور دور تک پانی کا آئینہ سفید ہوتا گیا، جیسے روشنی کے ہلکے قدم اسے ٹھکرا رہے ہوں۔ مدھم سمندر کا سفید سینہ۔ لپٹتی ہوئی لہریں، دو دو کی جوڑی میں۔ ایک ہاتھ جو سرود کے تار چھیڑتا ہے، ان کے ملتے ہوئے سروں کو یکجا کرتا ہوا۔ سفید لہروں کے بندھے ہوئے الفاظ، مدھم مد و جزر پر چمکتے ہوئے۔

ایک بادل آہستہ آہستہ سورج پر چھانے لگا، مکمل طور پر، خلیج کو گہرے سبز سایے میں ڈبوتا ہوا۔ وہ اس کے نیچے تھا، کڑوے پانیوں کا ایک پیالہ۔ فرگس کا گیت۔ میں نے اسے گھر میں اکیلے گایا تھا، لمبے سیاہ سروں کو دبا کر۔ اس کا دروازہ کھلا تھا، وہ میری موسیقی سننا چاہتی تھی۔ خاموش، ہیبت اور ترس کے ساتھ میں اس کے بستر کے پاس گیا۔ وہ اپنی بدحال چارپائی پر رو رہی تھی۔ انہی الفاظ کے لیے، اسٹیفن، محبت کا تلخ بھید۔

اب کہاں؟

اس کے راز، پرانے پروں کے پنکھے، جھالر دار رقص کے کارڈ، مشک کی مہک میں بسے ہوئے، عنبر کے دانوں کی ایک چمکیلی مالا اس کی بند دراز میں۔ جب وہ لڑکی تھی تو اس کے گھر کی دھوپ بھری کھڑکی میں ایک پنجرہ لٹکا کرتا تھا۔ اس نے ٹرکو دی ٹیریبل کے تماشے میں بوڑھے رائس کو گاتے سنا تھا اور دوسروں کے ساتھ ہنسی تھی جب وہ گاتا تھا:
میں وہ لڑکا ہوں
جو لطف اٹھا سکتا ہے
غائب ہو جانے کا

خیالی ہنسی، تہہ کر کے رکھ دی گئی، مشک میں بسی ہوئی۔
اور اب نہ مڑو اور نہ ٹھہرو۔

قدرت کی یاد میں، اس کے کھلونوں کے ساتھ، تہہ کر کے رکھ دی گئی۔ یادیں اس کے سوچتے ہوئے دماغ پر ہجوم کرنے لگیں۔ باورچی خانے کے نلکے کا پانی کا گلاس، جب وہ مقدس رسم کے قریب آئی تھی۔ ایک سیب جس کا بیچ نکالا گیا تھا، بھوری شکر سے بھرا، اندھیری خزاں کی شام چولہے پر اس کے لیے بھنتا ہوا۔ اس کے خوبصورت ناخن، بچوں کی قمیصوں سے کچلی گئی جوؤں کے خون سے سرخ۔

ایک خواب میں، خاموشی سے، وہ اس کے پاس آئی تھی، اپنی موت کے بعد، اس کا لاغر جسم اپنے ڈھیلے کفن میں لپٹا ہوا، موم اور عود کی مہک دیتا ہوا، اس کی سانس اس پر جھکی ہوئی، خاموش، پوشیدہ الفاظ کے ساتھ، بھیگی راکھ کی ہلکی سی بو لیے ہوئے۔

اس کی شیشے جیسی آنکھیں، موت کے پار سے دیکھتی ہوئی، میری روح کو ہلانے اور جھکانے کے لیے۔ صرف مجھ پر۔ بھوتی شمع اس کے عذاب کو روشن کرنے کے لیے۔ اس کے اذیت زدہ چہرے پر بھوت جیسی روشنی۔ اس کی بھاری، کھردری سانس خوف میں کھڑکھڑاتی ہوئی، جب سب گھٹنوں کے بل دعا کر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں مجھ پر، مجھے گرا دینے کے لیے۔
للیاتا روتیلانتیوم تی کنفیسروم تورما سرکم دیت، یوبیلانتیوم تی ورجنوم خوروس اکسیپیات۔

غول۔ مردار کھانے والی۔

نہیں، ماں، مجھے چھوڑ دو اور مجھے جینے دو۔

کنچ، او ہو!

بَک مُلِگن کی آواز برج کے اندر سے گونجی۔ وہ سیڑھیوں پر اوپر آتی ہوئی قریب آئی، پھر پکارا۔
اسٹیفن، ابھی تک اپنی روح کی چیخ سے کانپتا ہوا، اپنے پیچھے ہوا میں گرم بہتی دھوپ اور دوستانہ الفاظ سن رہا تھا۔

ڈیڈالس، نیچے آ جاؤ، اچھے لڑکے کی طرح۔ ناشتہ تیار ہے۔ ہینز کل رات ہمیں جگانے پر معذرت کر رہا ہے۔ سب ٹھیک ہے۔

میں آ رہا ہوں، اسٹیفن نے مڑتے ہوئے کہا۔

خدا کے لیے آ جاؤ، بَک مُلِگن نے کہا۔ میرے لیے اور ہم سب کے لیے۔

اس کا سر غائب ہوا پھر دوبارہ نظر آیا۔
میں نے اسے تمہارا آئرش فن والا استعارہ بتایا۔ وہ کہتا ہے بہت ذہین ہے۔ اس سے ایک پاؤنڈ مانگ لو، کیا کہتے ہو؟ ایک گنی، میرا مطلب ہے۔

مجھے آج صبح تنخواہ ملے گی، اسٹیفن نے کہا۔

اسکول کی؟ بَک مُلِگن نے کہا۔ کتنی؟ چار پاؤنڈ؟ مجھے ایک دے دو۔

اگر تم چاہتے ہو، اسٹیفن نے کہا۔

چار چمکتے ہوئے سونے کے سکے، بَک مُلِگن خوشی سے پکارا۔ ہم ایک شاندار نشہ کریں گے جو سب کو حیران کر دے گا۔ چار قادر مطلق سکے۔

اس نے ہاتھ اٹھائے اور پتھریلی سیڑھیوں سے نیچے اترتا ہوا بے سُرے انداز میں، کاکنی لہجے میں گانے لگا:

اوہ، کیا ہم خوب مزہ کریں گے
وہسکی، بیئر اور شراب پیتے ہوئے
تاج پوشی کے دن
تاج پوشی کے دن
اوہ، کیا ہم خوب مزہ کریں گے
تاج پوشی کے دن

گرم دھوپ سمندر پر کھیل رہی تھی۔ نکل کا حجامی پیالہ، بھولا ہوا، فصیل پر چمک رہا تھا۔ میں اسے نیچے کیوں لے جاؤں؟ یا اسے وہیں چھوڑ دوں، سارا دن، بھولی ہوئی دوستی کی طرح؟

وہ اس کے پاس گیا، اسے کچھ دیر ہاتھوں میں تھامے رکھا، اس کی ٹھنڈک محسوس کی، جھاگ کی نم دار بو سونگھی جس میں برش پھنسا ہوا تھا۔ تو میں نے بھی کبھی کلونگوز میں بخور کی کشتی اٹھائی تھی۔ میں اب کوئی اور ہوں، اور پھر بھی وہی۔ ایک خادم بھی۔ ایک خادم کا خادم۔

برج کے تاریک، گنبد نما کمرے میں بَک مُلِگن کی چوغہ پوش صورت تیزی سے چولہے کے گرد اِدھر اُدھر حرکت کر رہی تھی، کبھی اس کی زرد روشنی کو چھپاتی، کبھی ظاہر کرتی۔ اوپر کی بلند دیواروں کے سوراخوں سے نرم دن کی دو شعاعیں پتھریلے فرش پر پڑ رہی تھیں اور جہاں وہ آپس میں ملتی تھیں وہاں کوئلے کے دھوئیں اور تلی ہوئی چکنائی کی بو ایک بادل کی طرح تیرتی، گھومتی رہتی۔

ہم گھٹ جائیں گے، بَک مُلِگن نے کہا۔ ہینز، وہ دروازہ کھولو۔

اسٹیفن نے حجامی پیالہ الماری پر رکھا۔ ایک لمبا قد کا آدمی جھولے سے اٹھا، دروازے کی طرف گیا اور اندرونی دروازہ کھول دیا۔

چابی ہے؟ ایک آواز نے پوچھا۔

ڈیڈالس کے پاس ہے، بَک مُلِگن نے کہا۔ جینی میک، میرا دم گھٹ رہا ہے۔

وہ آگ کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا:
کنچ!

وہ تالا ہی میں ہے، اسٹیفن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

چابی سختی سے دو بار گھومی اور جب بھاری دروازہ کھلا تو خوشگوار روشنی اور تازہ ہوا اندر آ گئی۔ ہینز دروازے پر کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ اسٹیفن نے اپنا بکسہ کھینچ کر میز کے پاس رکھا اور بیٹھ گیا۔

بَک مُلِگن نے تلی ہوئی چیز پلیٹ میں انڈیل دی، پھر پلیٹ اور ایک بڑا چائے دان لے کر میز پر آیا، انہیں زور سے رکھا اور سکون کا سانس لیا۔

میں پگھل رہا ہوں، اس نے کہا، جیسے موم بتی نے کہا تھا... مگر خاموش! اس موضوع پر ایک لفظ نہیں۔ کنچ، جاگو! روٹی، مکھن، شہد۔ ہینز، اندر آؤ۔ کھانا تیار ہے۔ اے خدا، ہمیں اور ان نعمتوں کو برکت دے۔ چینی کہاں ہے؟ اوہ، ہائے، دودھ نہیں۔

اسٹیفن نے روٹی، شہد کا برتن اور مکھن نکال کر رکھا۔

بَک مُلِگن اچانک خفا ہو کر بیٹھ گیا۔
یہ کیسا ٹھکانہ ہے؟ میں نے اسے کہا تھا آٹھ بجے کے بعد آئے۔

ہم اسے سیاہ پی سکتے ہیں، اسٹیفن نے پیاس سے کہا۔ لیموں موجود ہے۔

تمہاری پیرس کی عادتیں جائیں بھاڑ میں، بَک مُلِگن نے کہا۔ مجھے سینڈی کوو کا دودھ چاہیے۔

ہینز دروازے سے واپس آیا۔
وہ عورت دودھ لے کر آ رہی ہے۔

خدا تمہیں جزا دے، بَک مُلِگن اچھل کر اٹھا۔ بیٹھو، چائے ڈالو۔ چینی تھیلی میں ہے۔ میں ان انڈوں میں نہیں الجھ سکتا۔

اس نے کھانے کو کاٹ کر تین پلیٹوں میں بانٹا اور کہا:
باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام پر۔

ہینز نے چائے ڈالنا شروع کی۔
میں تم دونوں کو دو دو ڈلیاں دے رہا ہوں۔ مگر، مُلِگن، تم واقعی کڑک چائے بناتے ہو۔

بَک مُلِگن نے روٹی کاٹتے ہوئے ایک بڑھیا کے لہجے میں کہا:
جب میں چائے بناتا ہوں تو چائے بناتا ہوں، جیسے ماں گروگن کہتی تھی۔ اور جب پانی بناتا ہوں تو پانی۔

ہینز بولا: واقعی یہ چائے ہے۔

بَک مُلِگن ہنستے ہوئے کہتا رہا:
خدا کرے دونوں ایک ہی برتن میں نہ بناؤ۔

وہ چھری میں روٹی کا ٹکڑا پرو کر ایک ایک کو دیتا گیا۔
یہ ہے مواد، اس نے سنجیدگی سے کہا، تمہاری کتاب کے لیے، ہینز۔ پانچ سطریں متن اور دس صفحے حواشی کے۔

پھر اسٹیفن کی طرف مڑ کر بولا:
بھائی، کیا یہ قصہ مابینوگین میں ہے یا اپنشدوں میں؟

مجھے شک ہے، اسٹیفن نے سنجیدگی سے کہا۔

واقعی؟ وجہ؟

میرا خیال ہے، اسٹیفن نے کھاتے ہوئے کہا، یہ کہیں بھی موجود نہیں۔ ماں گروگن شاید میری این کی رشتہ دار رہی ہو۔

بَک مُلِگن کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔
دلکش! واقعی دلکش!

پھر اچانک اس کا چہرہ بگڑ گیا اور وہ کھردری آواز میں گانے لگا۔

دروازے پر ایک سایہ نموادر ہوا۔
دودھ، صاحب!

آؤ، ماں جی، مُلِگن نے کہا۔ کنچ، جگ لے آؤ۔

ایک بوڑھی عورت اندر آئی۔
کتنی پیاری صبح ہے، صاحب۔ خدا کا شکر۔

کس کا؟ مُلِگن نے کہا۔ ہاں، بے شک۔

اسٹیفن نے دودھ کا جگ لیا۔

جزیرے والے اکثر ختنہ کرنے والے کا ذکر کرتے ہیں، مُلِگن نے بے پروائی سے کہا۔

کتنا، صاحب؟ بوڑھی عورت نے پوچھا۔

ایک کوارٹ، اسٹیفن نے کہا۔

وہ اسے دیکھتا رہا جب وہ گاڑھا سفید دودھ انڈیل رہی تھی، جو اس کا اپنا نہیں تھا۔ اس کے سکڑے ہوئے پستان۔ وہ پھر انڈیلی۔

وہ جیسے کسی قدیم صبح سے آئی تھی، ایک پیغام رساں۔ صبح کے وقت گھاس میں بیٹھی، گائے کا دودھ دوہتی ہوئی، ایک جادوگرنی۔

ایک آوارہ بڑھیا، ایک قدیم روح، اپنے فاتح کی خدمت کرتی ہوئی۔

خدمت کرنے یا ملامت کرنے آئی ہے، وہ نہ جان سکا۔ مگر اس نے اس سے کچھ مانگنے سے انکار کیا۔

واقعی بہت اچھا ہے، مُلِگن نے کہا۔

چکھ کر دیکھو، صاحب، اس نے کہا۔

اس نے اس کے کہنے پر پیا۔
اگر ہم ایسا کھانا کھا سکیں، اس نے بلند آواز میں کہا، تو ہمارے ملک میں نہ سڑے دانت ہوں نہ خراب پیٹ۔

دلدل میں رہتے ہوئے، سستا کھانا کھاتے ہوئے، اور سڑکیں گرد، گھوڑوں کی لید اور مریضوں کی تھوک سے بھری ہوئی۔

کیا آپ میڈیکل کے طالب علم ہیں، صاحب؟ بوڑھی عورت نے پوچھا۔

ہوں، اماں، بَک مُلِگن نے جواب دیا۔

یہ تو دیکھو، اس نے کہا۔

اسٹیفن خاموشی سے، حقارت کے ساتھ سنتا رہا۔ وہ اپنا بوڑھا سر اس آواز کے آگے جھکا دیتی ہے جو اونچی ہے، اس کے ہڈی جوڑنے والے، اس کے دوا دینے والے کے آگے۔ مجھے وہ نظر انداز کرتی ہے۔ اس آواز کے آگے جو اسے قبر کے لیے معافی دے گی، تیل لگائے گی، اس کے جسم میں سے سب کچھ، سوائے اس کے ناپاک نسوانی وجود کے، مٹا دے گی، انسان کا وہ جسم جو خدا کی صورت پر نہیں بلکہ سانپ کی خوراک ہے۔ اور اب وہی بلند آواز اسے خاموش رہنے کا حکم دیتی ہے، حیرت زدہ، ڈگمگاتی آنکھوں کے ساتھ۔

کیا آپ سمجھتی ہیں وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اسٹیفن نے اس سے پوچھا۔

کیا یہ فرانسیسی ہے جو آپ بول رہے ہیں، صاحب؟ بوڑھی عورت نے ہینز سے کہا۔

ہینز نے اس سے دوبارہ بات کی، ایک لمبی تقریر، اعتماد سے۔

آئرش ہے، بَک مُلِگن نے کہا۔ کیا تمہیں گیلک آتی ہے؟

مجھے لگا یہ آئرش ہے، اس نے کہا، آواز سے۔ کیا آپ مغرب سے ہیں، صاحب؟

میں انگریز ہوں، ہینز نے جواب دیا۔

یہ انگریز ہے، مُلِگن نے کہا، اور یہ سمجھتا ہے کہ ہمیں آئرلینڈ میں آئرش بولنی چاہیے۔

ضرور بولنی چاہیے، بوڑھی عورت نے کہا، اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں خود نہیں بولتی۔ سنا ہے بہت عظیم زبان ہے، جو جانتے ہیں ان کے مطابق۔

عظیم کہنا کافی نہیں، مُلِگن نے کہا۔ مکمل طور پر حیرت انگیز۔ کنچ، مزید چائے ڈالو۔ اماں، آپ لیں گی؟

نہیں، شکریہ، اس نے کہا اور دودھ کا ڈبہ بازو پر رکھ کر جانے لگی۔

ہینز نے کہا:
آپ کا حساب ہے؟ ہمیں ادائیگی کر دینی چاہیے۔

اسٹیفن نے کپ دوبارہ بھرے۔

حساب، صاحب؟ وہ رکی۔ سات صبحیں، ایک پائنٹ دو پنس کے حساب سے، چودہ پنس، یعنی ایک شلنگ اور دو پنس۔ اور یہ تین صبحیں، ایک کوارٹ چار پنس کے حساب سے، بارہ پنس، یعنی ایک شلنگ۔ تو کل دو شلنگ اور دو پنس، صاحب۔

بَک مُلِگن نے آہ بھری، منہ میں مکھن لگی روٹی بھر کر، ٹانگیں پھیلائیں اور جیبیں ٹٹولنے لگا۔

ادائیگی کرو اور خوش رہو، ہینز نے مسکرا کر کہا۔

اسٹیفن نے ایک اور کپ بھرا۔ چائے کا ہلکا سا رنگ گاڑھے دودھ میں گھل گیا۔

بَک مُلِگن نے ایک سکہ نکالا، انگلیوں میں گھمایا اور پکارا:
معجزہ!

اس نے سکہ میز پر سرکاتے ہوئے کہا:
مجھ سے اور کچھ نہ مانگو، پیاری۔ جو کچھ ہے، سب تمہیں دے دیا۔

اسٹیفن نے سکہ اس کے بے رغبت ہاتھ میں رکھا۔
دو پنس باقی رہیں گے، اس نے کہا۔

وقت ہے، صاحب، اس نے کہا۔ وقت ہے۔ صبح بخیر۔

وہ جھک کر سلام کرتی ہوئی باہر چلی گئی، اور بَک مُلِگن کی نرم آواز پیچھے سے گاتی رہی:
میرے دل کا دل، اگر زیادہ ہوتا
تو اور بھی تیرے قدموں میں رکھ دیتا

وہ اسٹیفن کی طرف مڑا۔
سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں، ڈیڈالس، میں خالی ہوں۔ اپنے اسکول جا کر کچھ پیسے لے آؤ۔ آج شعرا کو پینا اور عیش کرنا ہے۔ آئرلینڈ کو ہر شخص سے آج اپنا فرض ادا کرنے کی توقع ہے۔

یہ سن کر مجھے یاد آیا، ہینز نے کہا، مجھے آج تمہاری قومی لائبریری جانا ہے۔

پہلے نہانا، بَک مُلِگن نے کہا۔

پھر اسٹیفن سے بولا:
کیا آج تمہارے ماہانہ غسل کا دن ہے، کنچ؟

اور ہینز سے کہا:
یہ ناپاک شاعر مہینے میں ایک بار نہاتا ہے۔

سارا آئرلینڈ خلیجی رو سے دھلتا ہے، اسٹیفن نے کہا، روٹی پر شہد بہاتے ہوئے۔

ہینز، جو کمرے کے کونے میں اپنی قمیص کے کھلے کالر پر اسکارف باندھ رہا تھا، بولا:
میں تمہارے اقوال جمع کرنا چاہتا ہوں، اگر تم اجازت دو۔

مجھ سے مخاطب۔ یہ لوگ دھوتے ہیں، رگڑتے ہیں، صاف کرتے ہیں۔ ضمیر کی خلش۔ پھر بھی یہاں ایک چمچ...

وہ جو تم نے نوکر کے ٹوٹے ہوئے آئینے کو آئرش فن کی علامت کہا تھا، وہ تو کمال کی بات ہے۔

بَک مُلِگن نے میز کے نیچے اسٹیفن کے پاؤں کو ٹھوکر ماری اور گرمجوشی سے کہا:
ٹھہرو، ہینز، جب تم اسے ہیملٹ پر سنو گے۔

میرا مطلب ہے، ہینز نے کہا، اب بھی اسٹیفن سے مخاطب رہتے ہوئے، میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب وہ بوڑھی عورت اندر آئی۔

کیا اس سے میں کچھ کما سکتا ہوں؟ اسٹیفن نے پوچھا۔

ہینز ہنسا اور جھولے سے اپنی نرم سرمئی ٹوپی اٹھاتے ہوئے بولا:
مجھے یقین نہیں۔

وہ دروازے کی طرف نکل گیا۔ بَک مُلِگن جھک کر اسٹیفن کے قریب آیا اور سخت لہجے میں کہا:
تم نے ابھی سب خراب کر دیا۔ یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

تو؟ اسٹیفن نے کہا۔ مسئلہ پیسے کا ہے۔ کس سے؟ اس عورت سے یا اس سے۔ میرے خیال میں دونوں برابر ہیں۔

میں اس کے سامنے تمہاری تعریف کرتا ہوں، مُلِگن نے کہا، اور تم آ جاتے ہو اپنی نحوست بھری مسکراہٹ اور اداس جیسوئٹ طنز کے ساتھ۔

مجھے اس سے بھی اور اس سے بھی کوئی خاص امید نہیں، اسٹیفن نے کہا۔

بَک مُلِگن نے المیہ انداز میں آہ بھری اور اسٹیفن کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
مجھ سے، کنچ، اس نے کہا۔

پھر اچانک لہجہ بدل کر بولا:
خدا کی قسم، تم ٹھیک کہتے ہو۔ ان سب کا کچھ فائدہ نہیں۔ کیوں نہیں تم انہیں میرے جیسے استعمال کرتے؟ جہنم میں جائیں سب۔ چلو یہاں سے نکلتے ہیں۔

وہ کھڑا ہوا اور سنجیدگی سے اپنا چوغہ اتارتے ہوئے بولا:
مُلِگن اپنے لباس سے محروم ہو رہا ہے۔

اس نے جیبیں خالی کر کے میز پر رکھ دیں۔
یہ رہا تمہارا ناک صاف کرنے کا کپڑا۔

پھر کالر اور ٹائی درست کرتے ہوئے بولا:
ہمیں کردار کے مطابق لباس پہننا ہوگا۔ مجھے ارغوانی دستانے اور سبز جوتے چاہئیں۔ تضاد۔ کیا میں خود سے تضاد کرتا ہوں؟ اچھا، تو کرتا ہوں۔ مرکوریائی مالاکی۔

ایک کالا نرم ٹکڑا اس کے ہاتھ سے اڑا۔
اور یہ رہی تمہاری لاطینی محلے والی ٹوپی۔

اسٹیفن نے اسے اٹھا کر پہن لیا۔

ہینز نے دروازے سے آواز دی:
آ رہے ہو تم لوگ؟

میں تیار ہوں، مُلِگن نے کہا۔ آؤ، کنچ۔ تم نے سب کھا لیا ہوگا۔

وہ سنجیدگی سے باہر نکلا، جیسے کوئی دکھ ہو:
اور جاتے ہوئے اس کی ملاقات بٹرلی سے ہوئی۔

اسٹیفن نے اپنی چھڑی اٹھائی، ان کے پیچھے نکلا، سیڑھی سے اترتے ہوئے دروازہ بند کیا اور بڑی چابی جیب میں رکھ لی۔

نیچے پہنچ کر مُلِگن نے پوچھا:
چابی لائے ہو؟

میرے پاس ہے، اسٹیفن نے کہا۔

وہ آگے بڑھ گیا۔ پیچھے مُلِگن نے اپنے تولیے سے جھاڑیوں کو مارتے ہوئے کہا:
نیچے ہو جاؤ، سر! تمہاری یہ جرات!

ہینز نے پوچھا:
کیا تم اس ٹاور کا کرایہ دیتے ہو؟

بارہ پاؤنڈ، مُلِگن نے کہا۔

جنگ کے وزیر کو، اسٹیفن نے کندھے کے اوپر سے کہا۔

وہ رکے۔ ہینز نے ٹاور کو دیکھا اور کہا:
سردیوں میں خاصا ویران ہوگا۔ اسے مارٹیلو کہتے ہو؟

بلی پٹ نے بنوائے تھے، مُلِگن نے کہا، جب فرانسیسی سمندر پر تھے۔ مگر ہمارا یہ مرکز ہے، ناف۔

ہیملٹ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ہینز نے اسٹیفن سے پوچھا۔

نہیں، نہیں، مُلیگن نے کہا۔ ابھی نہیں۔ پہلے چند پینے کے بعد۔

پھر اسٹیفن سے بولا:
کنچ، تم تین پینٹ سے کم میں نہیں سمجھا سکتے، ہے نا؟

یہ اتنا عرصہ انتظار کر چکا ہے، اسٹیفن نے کہا، اور کر سکتا ہے۔

تم نے مجھے متجسس کر دیا، ہینز نے کہا۔ کیا یہ کوئی تضاد ہے؟

ارے چھوڑو، مُلیگن نے کہا۔ یہ بالکل سادہ ہے۔ وہ الجبرا سے ثابت کرتا ہے کہ ہیملٹ کا پوتا شیکسپیئر کا دادا ہے اور وہ خود اپنے باپ کا بھوت ہے۔

کیا؟ ہینز نے حیرت سے کہا۔

مُلیگن ہنسا اور اسٹیفن کے کان میں بولا:
اوہ، کنچ کے بزرگ کا سایہ۔ باپ کی تلاش میں بیٹا۔

ہم صبح کے وقت ہمیشہ تھکے ہوتے ہیں، اسٹیفن نے کہا، اور یہ کہانی کچھ لمبی ہے۔

مُلیگن نے ہاتھ اٹھائے:
صرف مقدس شراب ہی ڈیڈالس کی زبان کھول سکتی ہے۔

ہینز نے کہا:
یہ ٹاور اور یہ چٹانیں مجھے ایلسینور کی یاد دلاتی ہیں۔

مُلیگن نے ایک لمحے کے لیے اسٹیفن کی طرف دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ اس لمحے میں اسٹیفن نے خود کو ان کے درمیان، اپنے سادہ، دھول آلود سوگ میں دیکھا، ان کے شوخ لباسوں کے بیچ۔

یہ ایک حیرت انگیز کہانی ہے، ہینز نے کہا۔

وہ جنوب کی طرف دیکھتا رہا، سمندر پر۔

میں نے اس کی ایک مذہبی تشریح پڑھی تھی، اس نے کہا۔ باپ اور بیٹے کا تصور۔ بیٹا جو باپ سے مفاہمت چاہتا ہے۔

بَک مُلیگن نے فوراً ایک شوخ مسکراہٹ اوڑھ لی، اس کی آنکھوں میں پاگل سی خوشی چمکی، اور وہ گانے لگا:

میں سب سے عجیب نوجوان ہوں
میری ماں یہودی، میرا باپ پرندہ
میں یوسف بڑھئی سے متفق نہیں
تو شاگردوں اور گولگتھا کے نام

اس نے انگلی اٹھا کر خبردار کیا۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں الٰہی نہیں
تو جب میں شراب بناؤں گا اسے مفت نہ ملے گی

بلکہ وہ پانی پئے گا اور یہی چاہے گا
کہ وہی پانی پھر شراب بن جائے

اس نے تیزی سے اسٹیفن کی چھڑی کو الوداعی جھٹکا دیا اور چٹان کے کنارے کی طرف دوڑتا ہوا، اپنے ہاتھوں کو پروں کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے، جیسے ابھی فضا میں اڑنے والا ہو، گانے لگا:
الوداع، اب الوداع! جو کچھ میں نے کہا لکھ لینا
اور ٹام، ڈک اور ہیری کو بتانا کہ میں مردوں میں سے جی اٹھا
جو ہڈی میں ہے وہ مجھے اڑنے سے نہیں روک سکتا
اور زیتون کی پہاڑی کی ہوا... الوداع، اب الوداع

وہ اچھلتا کودتا چالیس فٹ گہرے سوراخ کی طرف نیچے گیا، اس کے پروں جیسے ہاتھ لہرا رہے تھے، اس کی ٹوپی ہوا میں کانپ رہی تھی، اور اس کی پرندوں جیسی مختصر آوازیں ان تک لوٹ رہی تھیں۔

ہینز، جو احتیاط سے ہنس رہا تھا، اسٹیفن کے ساتھ چلتا ہوا بولا:
شاید ہمیں نہیں ہنسنا چاہیے۔ وہ کچھ گستاخ ہے۔ میں خود کوئی مومن نہیں، یعنی اس معنی میں نہیں۔ مگر اس کی شوخی کسی طرح اس کی سختی کو کم کر دیتی ہے، ہے نا؟ اس نے اسے کیا کہا تھا؟ جوزف بڑھئی؟

مذاق کرنے والے مسیح کا گیت، اسٹیفن نے کہا۔

اوہ، تم نے پہلے بھی سنا ہے؟

دن میں تین بار، کھانے کے بعد، اسٹیفن نے خشک لہجے میں کہا۔

تم مومن نہیں ہو، ہو نا؟ ہینز نے پوچھا۔ میرا مطلب ہے، اس محدود معنی میں۔ عدم سے تخلیق، معجزات، اور ایک ذاتی خدا۔

میرے خیال میں لفظ کا صرف ایک ہی مطلب ہے، اسٹیفن نے کہا۔

ہینز رک گیا، ایک چاندی کا کیس نکالا جس میں سبز پتھر چمک رہا تھا، اسے کھولا اور پیش کیا۔

شکریہ، اسٹیفن نے سگریٹ لیتے ہوئے کہا۔

ہینز نے خود بھی ایک لیا، کیس بند کیا، جیب میں رکھا، پھر ایک دھاتی لائٹر نکالا، آگ جلائی اور اپنے ہاتھوں کی اوٹ میں شعلہ اسٹیفن کی طرف بڑھایا۔

ہاں، ظاہر ہے، وہ بولا، یا تو تم ایمان رکھتے ہو یا نہیں رکھتے، ہے نا؟ ذاتی طور پر مجھے ایک ذاتی خدا کا تصور ہضم نہیں ہوتا۔ تم بھی اس کے قائل نہیں ہو گے؟

تم میرے اندر آزاد خیالی کی ایک خوفناک مثال دیکھ رہے ہو، اسٹیفن نے سخت ناگواری سے کہا۔

وہ چلتا رہا، اپنی چھڑی کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے۔ اس کی نوک راستے پر ہلکی سی آواز پیدا کرتی، جیسے پیچھے سے کوئی پکار رہا ہو: اسٹیفن... اسٹیفن...

ایک ڈولتی ہوئی لکیر راستے پر۔ وہ آج رات اس پر چلیں گے، اندھیرے میں، یہاں آتے ہوئے۔ اسے وہ چابی چاہیے۔ یہ میری ہے۔ میں نے کرایہ دیا۔ اب میں اس کی روٹی کھاتا ہوں۔ اسے چابی بھی دے دو۔ سب کچھ۔ وہ مانگے گا۔ اس کی آنکھوں میں تھا۔

آخرکار، ہینز نے کہنا شروع کیا...

اسٹیفن مڑا اور دیکھا کہ وہ سرد نگاہ جو اسے پرکھ رہی تھی، مکمل طور پر بے مہر بھی نہیں تھی۔

آخرکار، مجھے لگتا ہے تم خود کو آزاد کر سکتے ہو۔ تم اپنے مالک خود ہو۔

میں دو مالکوں کا خادم ہوں، اسٹیفن نے کہا، ایک انگریز اور ایک اطالوی۔

اطالوی؟ ہینز نے کہا۔

ایک پاگل ملکہ، بوڑھی اور حسود۔ میرے سامنے گھٹنے ٹیکو۔

اور ایک تیسرا بھی، اسٹیفن نے کہا، جو مجھے چھوٹے موٹے کاموں کے لیے چاہتا ہے۔

اطالوی؟ ہینز نے پھر پوچھا۔

برطانوی سامراجی ریاست، اسٹیفن نے کہا، اس کا چہرہ سرخ ہوتا ہوا، اور مقدس رومن کیتھولک کلیسیا۔

ہینز نے اپنے ہونٹ سے تمباکو کے ریشے ہٹائے۔
میں سمجھ سکتا ہوں، اس نے سکون سے کہا۔ ایک آئرش کو ایسا ہی سوچنا چاہیے۔ ہمیں انگلستان میں لگتا ہے کہ ہم نے تمہارے ساتھ کچھ ناانصافی کی ہے۔ شاید تاریخ اس کی ذمہ دار ہے۔

مغرور القابات اسٹیفن کی یاد میں گونجنے لگے، پیتل کی گھنٹیوں کی طرح:
اور ایک مقدس، کیتھولک اور رسولی کلیسیا۔

رسم اور عقیدے کی سست رفتار تبدیلی، جیسے اس کے اپنے نایاب خیالات، ستاروں کی کیمیا۔

کلیسا کا چوکنا فرشتہ، بدعتیوں کو پسپا کرتا ہوا۔

بدعتوں کا ایک ہجوم بھاگتا ہوا، ٹیڑھی ٹوپیوں کے ساتھ۔

اور آخر میں خلا ان سب کا منتظر، جو ہوا کو بُنتے ہیں۔

واہ واہ! طویل تالیاں۔ زُت! نوم دے دیو!

بلاشبہ میں برطانوی ہوں، ہینز کی آواز آئی، اور خود کو ویسا ہی محسوس کرتا ہوں۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرا ملک جرمن یہودیوں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ یہ ہمارا قومی مسئلہ ہے، فی الحال۔

دو آدمی چٹان کے کنارے کھڑے دیکھ رہے تھے: ایک تاجر، ایک ملاح۔

وہ بُلک بندرگاہ کی طرف جا رہی ہے۔

ملاح نے خلیج کے شمالی حصے کی طرف کچھ حقارت سے سر ہلایا۔
وہاں پانچ فیدم گہرائی ہے۔ جب مد آئے گا تو اسے اسی طرف بہا لے جائے گا، قریب ایک بجے۔ آج نو دن ہو گئے۔

وہ آدمی جو ڈوب گیا تھا۔ ایک بادبان خالی خلیج میں گھومتا ہوا، ایک پھولے ہوئے جسم کے ابھرنے کا انتظار کرتا ہوا، جو سورج کی طرف الٹ جائے، ایک سوجا ہوا نمکین سفید چہرہ۔
میں ہوں یہاں۔

وہ گھومتی ہوئی پگڈنڈی سے ندی کی طرف اترے۔ بَک مُلِگن ایک پتھر پر کھڑا تھا، قمیص کی آستینیں چڑھائے، اس کی کھلی ٹائی کندھے پر لہرا رہی تھی۔ ایک نوجوان اس کے قریب چٹان سے لپٹا ہوا، پانی کے گاڑھے جیلی جیسے پن میں مینڈک کی طرح اپنی سبز ٹانگیں حرکت دے رہا تھا۔

کیا بھائی تمہارے ساتھ ہے، مالاکی؟

ویسٹ میتھ میں ہے۔ بینن کے ساتھ۔

ابھی بھی وہیں؟ مجھے بینن کا کارڈ ملا تھا۔ کہتا ہے وہاں اسے ایک پیاری سی لڑکی ملی ہے۔ فوٹو گرل کہتا ہے اسے۔

اسنیپ شاٹ، ہاں؟ مختصر نمائش۔

بَک مُلِگن بیٹھ گیا، اپنے جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے۔

ایک بوڑھا آدمی پانی سے اچانک ابھرا، سرخ سانس لیتا چہرہ۔ پتھروں پر چڑھتا ہوا، اس کے سر اور سفید بالوں پر پانی چمک رہا تھا، سینے اور پیٹ پر بہتا ہوا، اور اس کے ڈھیلے لنگوٹ سے پانی کے فوارے نکل رہے تھے۔

مُلِگن نے اسے گزرنے دیا اور ہینز اور اسٹیفن کی طرف دیکھ کر پیشانی، ہونٹوں اور سینے پر انگوٹھے سے صلیب کا نشان بنایا۔

سیمور شہر واپس آ گیا ہے، نوجوان نے کہا۔ دوا چھوڑ دی، اب فوج میں جا رہا ہے۔

خدا کی پناہ، مُلِگن نے کہا۔

اگلے ہفتے جا رہا ہے۔ تم اس سرخ بالوں والی کارلائل لڑکی کو جانتے ہو؟

ہاں۔

کل رات گھاٹ پر اس کے ساتھ لپٹ رہا تھا۔ اس کا باپ بہت امیر ہے۔

کیا وہ حاملہ ہے؟

یہ سیمور سے پوچھو۔

سیمور ایک خون آلود افسر! مُلِگن نے کہا۔

اس نے اپنی پتلون اتارتے ہوئے کہا:
سرخ بالوں والی عورتیں بکریوں کی طرح اچھلتی ہیں۔

پھر اچانک گھبرا کر بولا:
میری بارہویں پسلی غائب ہے۔ میں فوق البشر ہوں۔ بے دانت کنچ اور میں، ہم فوق البشر۔

اس نے قمیص اتاری اور پیچھے پھینک دی۔

کیا تم بھی پانی میں آ رہے ہو، مالاکی؟

ہاں، جگہ بناؤ۔

نوجوان پانی میں پیچھے ہٹتا ہوا دو لمبے اسٹروک میں درمیان تک پہنچ گیا۔ ہینز ایک پتھر پر بیٹھ گیا، سگریٹ پیتے ہوئے۔

تم نہیں آ رہے؟ مُلِگن نے پوچھا۔

بعد میں، ہینز نے کہا۔ ناشتے کے فوراً بعد نہیں۔

اسٹیفن مڑ گیا۔
میں جا رہا ہوں، مُلِگن۔

چابی دے دو، کنچ، مُلِگن نے کہا۔

اسٹیفن نے چابی اس کے حوالے کی۔ مُلِگن نے اسے کپڑوں پر رکھ دیا۔

اور دو پنس بھی، ایک پینٹ کے لیے۔

اسٹیفن نے سکے پھینک دیے۔

لباس پہننا، اتارنا۔ بَک مُلِگن سیدھا کھڑا ہوا، ہاتھ جوڑ کر بولا:
جو غریب سے لیتا ہے وہ خدا کو قرض دیتا ہے۔ یوں زرادشت نے کہا۔

اس کا موٹا جسم پانی میں ڈوب گیا۔

ہم پھر ملیں گے، ہینز نے کہا، اسٹیفن کے جاتے ہوئے، مسکراتے ہوئے۔

جنگلی آئرش۔

بیل کے سینگ، گھوڑے کے کھُر، سیکسَن کی مسکراہٹ۔

شِپ میں ملنا، مُلِگن نے پکارا۔ ساڑھے بارہ۔

ٹھیک ہے، اسٹیفن نے کہا۔

وہ مڑتی ہوئی اوپر جاتی پگڈنڈی پر چلتا گیا۔

سرخ چمکتے ہوئے مقدسین کا لشکر اسے گھیر لے۔
خوشی مناتی کنواریوں کا گروہ اسے اپنے اندر سمیٹ لے۔

پادری کا سرمئی ہالہ اس طاق میں جہاں وہ خاموشی سے لباس بدلتا تھا۔
میں آج رات یہاں نہیں سوؤں گا۔ گھر بھی نہیں جا سکتا۔

ایک آواز، نرم اور مسلسل، سمندر کی طرف سے اسے پکارتی ہے۔
موڑ مڑتے ہوئے اس نے ہاتھ ہلایا۔ آواز پھر آئی۔
پانی میں دور ایک چکنا بھورا سر، جیسے سیل کا، ابھرا۔

غاصب۔

تم، کوکرین، اسے کس شہر نے بلایا تھا؟
ٹارینٹم، سر۔

بہت اچھا۔ پھر؟
ایک جنگ ہوئی تھی، سر۔

کہاں؟
لڑکے کا خالی چہرہ کھڑکی کی خالی روشنی سے سوال کرنے لگا۔

یاد کی بیٹیوں نے اسے افسانہ بنایا تھا۔ اور پھر بھی کسی نہ کسی طرح وہ تھا، چاہے یاد نے اسے جیسے بھی بنایا ہو۔

مجھے جگہ یاد نہیں، سر۔ دو سو اناسی قبل مسیح۔

اسکولم، اسٹیفن نے کہا، کتاب میں درج نام اور تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے۔

جی سر۔ اور اس نے کہا: ایک اور ایسی فتح اور ہم ختم ہو جائیں گے۔

دنیا نے یہی فقرہ یاد رکھا۔
ایک پہاڑی پر لاشوں سے بھرے میدان کے اوپر ایک جرنیل اپنے افسروں سے مخاطب، نیزے پر جھکا ہوا۔
کوئی بھی جرنیل، کسی بھی افسروں سے۔

تم، آرمسٹرانگ۔ پیرہس کا انجام کیا ہوا؟

پیرہس، سر؟ پیرہس، ایک گھاٹ۔

سب ہنس پڑے۔ بے روح، کھوکھلی ہنسی۔

بتاؤ، اسٹیفن نے کتاب سے اس کے کندھے کو ہلکا سا ٹھوکتے ہوئے کہا، گھاٹ کیا ہوتا ہے؟

گھاٹ، سر۔ پانی میں نکلی ہوئی چیز۔ ایک طرح کا پل۔ کنگزٹاؤن کا گھاٹ، سر۔

اسٹیفن نے کہا:
ہاں، ایک ناکام پل۔

الفاظ نے ان کی نگاہوں کو پریشان کر دیا۔

کیا مطلب، سر؟ پل تو دریا کے پار ہوتا ہے۔

ہینز کے لیے نوٹ۔ یہاں کوئی سننے والا نہیں۔

پیرہس کیا آرگوس میں ایک بوڑھی عورت کے ہاتھوں نہیں مارا گیا تھا؟
یا جولیس سیزر قتل نہیں ہوا تھا؟
انہیں سوچ سے مٹایا نہیں جا سکتا۔

وقت نے انہیں داغ دیا ہے، اور وہ ہمیشہ کے لیے ممکنات کے اس کمرے میں قید ہیں جسے انہوں نے خود ختم کیا۔

کیا وہ ممکن تھا جو کبھی ہوا ہی نہیں؟
یا صرف وہی ممکن تھا جو ہو گیا؟

کہانی سنائیے، سر۔
بھوت کی کہانی۔

کہاں سے شروع کریں؟

روؤ نہیں، کامن نے کہا۔

ایک سیاہ رنگ لڑکے نے کتاب کھولی اور پڑھنا شروع کیا:
روؤ نہیں، اے غمزدہ چرواہوں، روؤ نہیں
لائسیڈس کے لیے، تمہارا غم مرا نہیں
اگرچہ وہ پانی کی تہہ میں ڈوب گیا ہے...

یہ تو حرکت ہے، امکان کا حقیقت میں بدلنا۔

ارسطو کا جملہ اس کے ذہن میں ابھرا اور پیرس کی لائبریری سین ژنویو کی خاموشی میں تیرنے لگا، جہاں وہ رات در رات پڑھتا تھا۔

سوچ، سوچ کی سوچ ہے۔
روح ایک طرح سے ہر شے ہے۔
روح صورتوں کی صورت ہے۔

طالبوٹ نے دہرایا:
اس کی قدرت سے جو پانیوں پر چلا...

صفحہ پلٹو، اسٹیفن نے کہا۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔

اس نے صفحہ پلٹا اور دوبارہ پڑھنے لگا۔

قیصر کا حق قیصر کو، خدا کا حق خدا کو۔

اسٹیفن نے کہا:
کون ایک پہیلی کا جواب دے گا؟

یہ پہیلی ہے:

مرغ نے بانگ دی
آسمان نیلا تھا
آسمان کی گھنٹیاں
گیارہ بجا رہی تھیں
اب وقت ہے
کہ یہ غریب روح
جنت کو روانہ ہو

یہ کیا ہے؟

کیا، سر؟
دوبارہ سنائیں، سر۔

جب مصرعے دہرائے گئے تو ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔
ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کوکرین نے کہا:
یہ کیا ہے، سر؟ ہم ہار مانتے ہیں۔

اسٹیفن نے، گلا کھنچتا ہوا، جواب دیا:
ایک لومڑی اپنی نانی کو ایک ہولی کی جھاڑی کے نیچے دفن کر رہی ہے۔

وہ کھڑا ہوا اور ایک بے قابو ہنسی ہنسا جس کی بازگشت میں ان کی چیخوں میں خوف شامل تھا۔

دروازے پر ایک لاٹھی لگی اور راہداری سے آواز آئی:
ہاکی!

وہ منتشر ہو گئے، بینچوں سے پھسلتے ہوئے، ان پر سے چھلانگیں لگاتے ہوئے۔
جلدی ہی وہ سب چلے گئے اور اسٹور روم سے لاٹھیوں کی کھڑکھڑاہٹ، جوتوں اور آوازوں کا شور آنے لگا۔

صرف سارجنٹ ٹھہرا رہا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا، ایک کھلی کاپی دکھاتے ہوئے۔
اس کے گھنے بال اور دبلی گردن اس کی ناتجربہ کاری کی گواہی دیتے تھے، اور دھندلے شیشوں کے پیچھے کمزور آنکھیں التجا سے اوپر اٹھیں۔
اس کے گال پر، بے رنگ اور مدھم، سیاہی کا ایک نرم داغ تھا، جیسے تاریخ کی شکل، تازہ اور نم، جیسے گھونگھے کا نشان۔

اس نے کاپی آگے بڑھائی۔ اوپر عنوان تھا: حساب۔
نیچے ترچھے اعداد اور آخر میں ایک ٹیڑھا دستخط، اندھے دائرے اور ایک دھبہ۔
سائرل سارجنٹ: اس کا نام اور مہر۔

مسٹر ڈیسی نے کہا تھا کہ میں یہ سب دوبارہ لکھوں اور آپ کو دکھاؤں، سر۔

اسٹیفن نے کتاب کے کناروں کو چھوا۔ بے معنویت۔

کیا اب تم انہیں سمجھتے ہو؟ اس نے پوچھا۔

گیارہ سے پندرہ تک، سارجنٹ نے کہا۔

کیا تم خود کر سکتے ہو؟

نہیں، سر۔

بدصورت اور بے کار۔
پھر بھی کسی نے اسے چاہا تھا، اسے اپنے بازوؤں اور دل میں اٹھایا تھا۔
اگر وہ نہ ہوتی تو دنیا کی دوڑ اسے روند ڈالتی، ایک بے ہڈی گھونگھے کی طرح۔

کیا وہی حقیقت تھی؟ زندگی کی واحد سچی چیز؟

وہ نہیں رہی۔
صرف ایک لرزتی ہوئی راکھ، گلابی لکڑی اور بھیگی ہوئی راکھ کی بو۔

ایک غریب روح جو جنت کو چلی گئی۔
اور کہیں جھاڑیوں میں ایک لومڑی، اپنی کھال میں شکار کی سرخی لیے، بے رحم روشن آنکھوں سے زمین کھودتی ہوئی، سنتی ہوئی، پھر کھودتی ہوئی۔

اسٹیفن اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور سوال حل کرنے لگا۔

صفحے پر علامتیں ایک سنجیدہ رقص میں حرکت کر رہی تھیں، جیسے کوئی رسم ہو۔
چوکور اور مکعب کی ٹوپیاں پہنے ہوئے۔

ابن رشد اور موسیٰ میمونیدس، وہ بھی گزر گئے،
اپنے آئینوں میں دنیا کی تاریک روح کو چمکاتے ہوئے۔

کیا اب سمجھ آئے؟

جی، سر۔

سارجنٹ نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے لکھنا شروع کیا، ہمیشہ مدد کے انتظار میں۔

ماں کی محبت۔
فاعل اور مفعول دونوں۔

اسی کے کمزور خون اور کھٹے دودھ سے وہ پلا تھا۔

میں بھی ایسا ہی تھا۔
یہی جھکی ہوئی کندھیاں، یہی بدنظمی۔

میرا بچپن میرے ساتھ جھکا ہوا ہے،
مگر اتنا دور کہ میں اسے چھو نہیں سکتا۔

ہمارے دلوں کے اندھیرے محلوں میں راز بیٹھے ہیں،
خاموش، پتھریلے، تھکے ہوئے۔

ایسے ظالم جو خود تخت سے اترنا چاہتے ہیں۔

ایباگو، اسٹیفن نے زیرِلب کہا۔

اس نے بے کار پڑے خولوں سے نظر اٹھا کر بوڑھے آدمی کی نگاہ سے نگاہ ملائی۔

وہ جانتا تھا کہ پیسہ کیا ہوتا ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ وہ پیسہ بناتا تھا۔ شاعر تھا، ہاں، مگر ایک انگریز بھی۔ کیا تم جانتے ہو کہ انگریز کی شان کیا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سا لفظ ہے جس پر وہ سب سے زیادہ فخر کرتا ہے؟

سمندروں کا حاکم۔ اس کی سمندری سرد آنکھیں خالی خلیج پر جمی تھیں: لگتا ہے تاریخ ہی قصوروار ہے، مجھ پر بھی اور میرے الفاظ پر بھی، بغیر نفرت کے۔

یہ کہ اس کی سلطنت پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا، اسٹیفن نے کہا۔

باہ! مسٹر ڈیسی نے پکارا۔ یہ انگریزی نہیں۔ ایک فرانسیسی سیلٹ نے کہا تھا۔

اس نے اپنے سکے رکھنے والے ڈبے کو ناخن سے ٹھونکا۔

میں تمہیں بتاتا ہوں، اس نے سنجیدگی سے کہا، اس کا سب سے بڑا فخر کیا ہے۔ میں نے اپنی راہ خود بنائی۔

اچھا آدمی، اچھا آدمی۔

میں نے اپنی راہ خود بنائی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایک شلنگ بھی ادھار نہیں لیا۔ کیا تم اسے محسوس کر سکتے ہو؟ میں کسی کا مقروض نہیں۔ کیا تم ہو؟

ملیگن، نو پاؤنڈ، تین جوڑے جرابیں، ایک جوڑا جوتے، ٹائیاں۔ کرن، دس گنی۔ مک کین، ایک گنی۔ فریڈ رائن، دو شلنگ۔ ٹیمپل، دو کھانے۔ رسل، ایک گنی۔ کزنز، دس شلنگ۔ باب رینالڈز، آدھی گنی۔ کوہلر، تین گنی۔ مسز مک کرنن، پانچ ہفتے کا قیام۔ جو رقم میرے پاس ہے، بے کار ہے۔

فی الحال نہیں، اسٹیفن نے جواب دیا۔

مسٹر ڈیسی خوشی سے ہنسے اور اپنا ڈبہ واپس رکھ دیا۔

مجھے معلوم تھا تم نہیں ہو سکتے، اس نے خوشی سے کہا۔ مگر ایک دن تمہیں یہ محسوس کرنا ہوگا۔ ہم ایک فیاض قوم ہیں مگر ہمیں انصاف پسند بھی ہونا چاہیے۔

مجھے ان بڑے الفاظ سے خوف آتا ہے، اسٹیفن نے کہا، جو ہمیں اتنا بے چین کر دیتے ہیں۔

مسٹر ڈیسی نے کچھ دیر چمنی کے اوپر لٹکی تصویر کو گھورا، ایک بھاری بھرکم آدمی، ٹارٹن لباس میں: البرٹ ایڈورڈ، ویلز کا شہزادہ۔

تم مجھے ایک پرانا دقیانوسی اور ٹوری سمجھتے ہو، اس کی سوچتی ہوئی آواز نے کہا۔ میں نے او کونل کے زمانے سے تین نسلیں دیکھی ہیں۔ مجھے چھیالیس کا قحط یاد ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اورنج لاجز نے اتحاد کے خاتمے کے لیے او کونل سے بیس سال پہلے تحریک چلائی تھی؟ تم فینیئن لوگ کچھ باتیں بھول جاتے ہو۔

شاندار، متقی اور ابدی یاد۔ آرماغ میں ڈائمنڈ لاج، لاشوں سے سجی ہوئی۔ کھردری آوازیں، نقاب پوش، مسلح۔ کالے شمال کی نیلی بائبل۔ کروپیز، لیٹ جاؤ۔

اسٹیفن نے ایک مختصر اشارہ کیا۔

میرے اندر بھی بغاوت کا خون ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ مگر میں سر جان بلیک ووڈ کی نسل سے ہوں جس نے اتحاد کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ ہم سب آئرش ہیں، سب بادشاہوں کے بیٹے۔

افسوس، اسٹیفن نے کہا۔

سیدھے راستوں سے، مسٹر ڈیسی نے مضبوطی سے کہا، اس کا شعار تھا۔

پتھریلی سڑک ڈبلن کو جاتی ہے۔ لال تھا رال تھا را...

گھوڑے پر ایک سخت مزاج جاگیردار، چمکتے جوتوں کے ساتھ۔ نرم دن، سر جان! نرم دن!... دن!... دن...!

یہ مجھے یاد دلایا، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ آپ میرے لیے ایک احسان کر سکتے ہیں، مسٹر ڈیڈلس، اپنے ادبی دوستوں کے ساتھ۔ میرے پاس پریس کے لیے ایک خط ہے۔

وہ کھڑکی کے پاس میز پر گیا، کرسی کھینچی، اور ٹائپ رائٹر پر جھک گیا۔

بیٹھ جاؤ... معاف کرنا... عام فہم کے تقاضے...

وہ جھک کر دیکھتا، بڑبڑاتا، بٹن دباتا، کبھی غلطی مٹانے کو پھونک مارتا۔

اسٹیفن خاموشی سے بیٹھ گیا۔ دیواروں پر گھوڑوں کی تصویریں تھیں، جیسے ماضی کے فاتح اب بھی کھڑے ہوں۔

فل اسٹاپ، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ مگر اس نہایت اہم مسئلے کی فوری وضاحت...

کہاں کرینلی مجھے لے گیا تھا جلد امیر ہونے کے لیے، گھوڑوں کی دوڑ میں، شور، داؤ، کیچڑ، اور چیختے ہوئے دلالوں کے درمیان۔

فیئر ریبل! فیئر ریبل! برابر کا مقابلہ! دس کے مقابل ایک!

زندگی کی جنگ۔ میں ان کے درمیان ہوں، جسموں کے ٹکراؤ میں، شور میں، صدموں میں۔

اب پھر، مسٹر ڈیسی نے کہا، کھڑے ہوتے ہوئے۔

وہ میز پر آیا، کاغذات سمیٹے۔

میں نے بات کو خلاصہ کر دیا ہے، اس نے کہا۔ یہ مویشیوں کی بیماری کے بارے میں ہے۔ دیکھ لیجیے۔ اس پر دو رائے نہیں ہو سکتیں۔

میں آپ کے قیمتی کالموں میں جگہ چاہتا ہوں...

میں بات کو گھماتا نہیں، کیا میں؟ مسٹر ڈیسی نے پوچھا۔

مویشیوں کی بیماری۔ سیرم اور وائرس۔ زرعی محکمہ۔ ویانا۔ ویٹرنری سرجن۔

میں چاہتا ہوں یہ شائع ہو، اس نے کہا۔ اگلی بار وہ آئرش مویشیوں پر پابندی لگا دیں گے۔ مگر اس کا علاج ہے۔

میں مشکلات میں گھرا ہوا ہوں... سازشیں... پسِ پردہ اثر و رسوخ...

اس نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور اس کے بولنے سے پہلے ہوا میں بوڑھے انداز سے اسے مارتا رہا۔

اپنی بات یاد رکھنا، مسٹر ڈیڈلس، اس نے کہا۔ انگلستان یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اونچی سے اونچی جگہوں پر۔ اس کی مالیات، اس کا پریس۔ اور یہ ایک قوم کے زوال کی نشانیاں ہیں۔ جہاں کہیں وہ جمع ہوتے ہیں وہ قوم کی زندگی کی اصل قوت کو چاٹ جاتے ہیں۔ میں ان برسوں سے اسے آتے دیکھ رہا ہوں۔ جتنا یقینی ہے کہ ہم یہاں کھڑے ہیں اتنا ہی یقینی ہے کہ یہودی سوداگر پہلے ہی تباہی کے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ پرانا انگلستان مر رہا ہے۔

وہ تیزی سے ایک قدم ہٹا، اس کی آنکھیں ایک چوڑی دھوپ کی لکیر سے گزرتے ہوئے نیلی زندگی سے بھر اٹھیں۔ وہ مڑا اور پھر لوٹا۔

مر رہا ہے، اس نے پھر کہا، اگر اب تک مر نہ چکا ہو۔

گلی گلی بازاری عورت کی پکار
پرانے انگلستان کا کفن بُنے گی

ڈھلی ہوئی دھوپ کی اس لکیر کے پار اس کی آنکھیں کشادہ ہو کر ایک رویائی سختی سے دیکھ رہی تھیں۔

ایک سوداگر، اسٹیفن نے کہا، وہ ہوتا ہے جو سستا خریدتا ہے اور مہنگا بیچتا ہے، خواہ یہودی ہو یا غیر یہودی، ہے نا؟

انھوں نے روشنی کے خلاف گناہ کیا، مسٹر ڈیسی نے سنجیدگی سے کہا۔ اور تم ان کی آنکھوں میں تاریکی دیکھ سکتے ہو۔ اور اسی لیے وہ آج تک زمین پر آوارہ گرد ہیں۔

پیرس کے اسٹاک ایکسچینج کی سیڑھیوں پر سنہری کھال والے مرد، اپنی جواہردار انگلیوں پر نرخ بتاتے ہوئے۔ ہنسوں کی کڑکڑاہٹ۔ وہ شور مچاتے، بے ڈھنگے، ہجوم کی صورت، ہیکل کے گرد امڈتے تھے، ان کے سروں کے نیچے بدسلیقہ ریشمی ٹوپیوں میں موٹی موٹی سازشیں۔ ان کے اپنے نہیں تھے یہ کپڑے، یہ بولی، یہ اشارے۔ ان کی بھری ہوئی، سست آنکھیں ان لفظوں اور اشاروں کی تردید کرتی تھیں، جو بیتاب بھی تھے اور بے ضرر بھی، مگر وہ جانتی تھیں کہ کتنی رنجشیں ان کے گرد جمع ہیں اور یہ بھی کہ ان کا جوش بے سود ہے۔ اکٹھا کرتے جانے اور جوڑتے جانے کا بے سود صبر۔ وقت یقیناً سب کچھ بکھیر دے گا۔ راستے کے کنارے ڈھیر کیا ہوا خزانہ، لوٹا ہوا اور آگے بڑھتا ہوا۔ ان کی آنکھیں اپنی آوارگی کے برس جانتی تھیں اور صبر سے اپنے گوشت کی رسوائیاں بھی جانتی تھیں۔

کس نے نہیں؟ اسٹیفن نے کہا۔

کیا مطلب؟ مسٹر ڈیسی نے پوچھا۔

وہ ایک قدم آگے آیا اور میز کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس کا نچلا جبڑا بے یقینی سے ایک طرف ڈھل گیا۔ کیا یہ بوڑھی دانائی ہے؟ وہ مجھ سے سننے کا منتظر ہے۔

تاریخ، اسٹیفن نے کہا، ایک ڈراؤنا خواب ہے جس سے میں بیدار ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔

کھیل کے میدان سے لڑکوں نے ایک چیخ بلند کی۔ سیٹی کی گھومتی ہوئی آواز۔ گول۔

اور اگر وہ ڈراؤنا خواب تمھیں پچھلی لات مار دے؟

خالق کے راستے ہمارے راستے نہیں ہیں، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ ساری انسانی تاریخ ایک عظیم مقصد کی طرف چل رہی ہے، خدا کے ظہور کی طرف۔

اسٹیفن نے انگوٹھا کھڑکی کی طرف جھٹکا اور کہا:
وہ خدا ہے۔

ہُرّے۔ آہ۔ وھررر وہی۔

کیا؟ مسٹر ڈیسی نے پوچھا۔

گلی کا شور، اسٹیفن نے کندھے اچکا کر کہا۔

مسٹر ڈیسی نے نیچے دیکھا اور کچھ دیر اپنی ناک کے پَر انگلیوں میں پکڑے رکھا۔ پھر دوبارہ اوپر دیکھ کر چھوڑ دیے۔

میں تم سے زیادہ خوش ہوں، اس نے کہا۔ ہم نے بہت سی غلطیاں کی ہیں اور بہت سے گناہ۔ ایک عورت گناہ کو دنیا میں لائی۔ ایک ایسی عورت کے لیے جو ویسی نہیں تھی جیسی ہونا چاہیے

تھی، ہیلن، مینیلاؤس کی بھاگی ہوئی بیوی، یونانیوں نے ٹروا پر دس سال جنگ کی۔ ایک بے وفا بیوی ہی سب سے پہلے اجنبیوں کو ہمارے ساحل پر لائی، مک مررو کی بیوی اور اس کا آشنا، او رورک، بریفنی کا شہزادہ۔ ایک عورت نے پارنل کو بھی گرا دیا۔ بہت سی غلطیاں، بہت سی ناکامیاں، مگر وہ ایک گناہ نہیں۔ میں اپنی عمر کے آخری حصے میں ایک مجاہد ہوں۔ مگر میں حق کے لیے آخر تک لڑوں گا۔

السٹر لڑے گا
اور السٹر حق پر ہوگا

اسٹیفن نے کاغذ اپنے ہاتھ میں اٹھائے۔

اچھا، سر، وہ بولا۔

میں دیکھ رہا ہوں، مسٹر ڈیسی نے کہا، کہ تم اس کام میں زیادہ دن نہیں رہو گے۔ میرا خیال ہے تم استاد بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ ممکن ہے میں غلط ہوں۔

زیادہ صحیح یہ کہ ایک سیکھنے والا، اسٹیفن نے کہا۔

اور یہاں تم اور کیا سیکھو گے؟

مسٹر ڈیسی نے سر ہلایا۔

کون جانتا ہے؟ اس نے کہا۔ سیکھنے کے لیے آدمی کو منکسر ہونا پڑتا ہے۔ مگر زندگی ہی بڑی استاد ہے۔

اسٹیفن نے کاغذ پھر سرسرائے۔

جہاں تک ان کا تعلق ہے، وہ بولا۔

ہاں، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ تمہارے پاس دو نقلیں ہیں۔ اگر تم انہیں فوراً چھپوا سکو۔

ٹیلی گراف۔ آئرش ہوم اسٹیڈ۔

میں کوشش کروں گا، اسٹیفن نے کہا، اور کل آپ کو بتا دوں گا۔ میں دو مدیروں کو سرسری طور پر جانتا ہوں۔

بس یہی کافی ہے، مسٹر ڈیسی نے پھرتی سے کہا۔ میں نے کل رات مسٹر فیلڈ، رکن پارلیمان، کو لکھا تھا۔ آج سٹی آرمز ہوٹل میں مویشی تاجروں کی انجمن کا اجلاس ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے میرا خط اجلاس کے سامنے رکھیں۔ تم دیکھو کہ اسے اپنے دونوں اخباروں میں چھپوا سکو۔ کون سے ہیں وہ؟

ایوننگ ٹیلی گراف...

بس، یہی کافی ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں۔ اب مجھے اپنے کزن کے خط کا جواب دینا ہے۔

خدا حافظ، سر، اسٹیفن نے کہا، کاغذ جیب میں رکھتے ہوئے۔ شکریہ۔

بالکل نہیں، مسٹر ڈیسی نے کہا، اپنی میز پر کاغذ ٹٹولتے ہوئے۔ مجھے تم سے نیزہ آزمانا اچھا لگتا ہے، اس عمر میں بھی۔

خدا حافظ، سر، اسٹیفن نے پھر کہا، اس کی جھکی ہوئی پیٹھ کو دیکھتے ہوئے سر جھکا کر۔

وہ کھلے برآمدے سے باہر نکلا اور درختوں کے نیچے بجری والی راہ پر چل پڑا، کھیل کے میدان سے آوازوں کی چیخ اور لاٹھیوں کی ٹکر سنتا ہوا۔ ستونوں پر بیٹھے ہوئے شیر جب وہ پھاٹک سے باہر نکلا، بے دانت دہشتیں۔

پھر بھی میں اس کی لڑائی میں اس کی مدد کروں گا۔ ملیگن مجھے ایک نیا نام دے گا: بچھڑوں کا ہمدرد شاعر۔

مسٹر ڈیڈلس!

میرے پیچھے بھاگتا ہوا۔ امید ہے اب کوئی اور خط نہیں۔

ذرا ایک لمحہ۔

جی، سر، اسٹیفن نے پھاٹک پر مڑ کر کہا۔

مسٹر ڈیسی رک گیا، زور زور سے سانس لیتا ہوا، سانس نگلتا ہوا۔

میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا، اس نے کہا۔ کہتے ہیں آئرلینڈ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ واحد ملک ہے جس نے کبھی یہودیوں پر ظلم نہیں کیا۔ کیا تم جانتے ہو یہ؟

نہیں۔ اور کیا تم جانتے ہو کیوں؟

اس نے روشن ہوا میں سخت تیوری چڑھائی۔

کیوں، سر؟ اسٹیفن نے پوچھا، ہونٹوں پر ابھرتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ۔

سرخ چمکتے ہوئے مقدسین کا لشکر۔
وہ تمہیں گھیر لے۔
خوشی مناتی کنواریوں کا گروہ۔

پادری کا سرمئی ہالہ اس طاق میں جہاں وہ چپ چاپ لباس بدلتا تھا۔ میں آج رات یہاں نہیں سوؤں گا۔ گھر بھی نہیں جا سکتا۔

ایک آواز، شیریں آہنگ اور کھنچی ہوئی، سمندر کی طرف سے اسے پکارتی ہے۔ موڑ مڑتے ہوئے اس نے ہاتھ ہلایا۔ آواز پھر آئی۔ پانی میں دور ایک چکنا بھورا سر، سیل کے سر جیسا، گول۔

غاصب۔

تم، کوکرین، اسے کس شہر نے بلایا تھا؟
ٹارینٹم، سر۔

بہت خوب۔ پھر؟
ایک جنگ ہوئی تھی، سر۔

بہت خوب۔ کہاں؟
لڑکے کے خالی چہرے نے خالی کھڑکی سے پوچھا۔

یاد کی بیٹیوں نے اسے افسانہ بنا دیا۔ اور پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح تھا، اگرچہ یاد نے اسے جیسے بنا دیا ہو ویسا نہیں۔ ایک فقرہ، پھر بے صبری، بلیک کے افراط کے پروں کی دھم۔ میں ساری فضا کی بربادی سنتا ہوں، ٹوٹا ہوا شیشہ اور گرتی ہوئی عمارتیں، اور وقت ایک زرد رو، آخری لپٹ۔ پھر ہمارے لیے کیا بچتا ہے؟

مجھے جگہ یاد نہیں، سر۔ دو سو اناسی قبل مسیح۔

اسکولم، اسٹیفن نے کہا، داغ دار کتاب میں نام اور تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہوئے۔

جی سر۔ اور اس نے کہا: ایک اور ایسی فتح اور ہم تباہ ہو جائیں گے۔

وہ فقرہ دنیا نے یاد رکھا تھا۔ ذہن کی ایک کند سہولت۔ لاشوں سے اٹے ہوئے میدان کے اوپر ایک پہاڑی پر ایک جرنیل اپنے افسروں سے کہتا ہوا، نیزے پر جھکا ہوا۔ کوئی بھی جرنیل، کسی بھی افسروں سے۔ وہ سنتے ہیں۔

تم، آرمسٹرانگ، اسٹیفن نے کہا۔ پیرہس کا انجام کیا ہوا؟

پیرہس کا انجام، سر؟

میں جانتا ہوں، سر۔ مجھ سے پوچھیے، سر، کومن نے کہا۔

رکو۔ تم، آرمسٹرانگ۔ پیرہس کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟

انجیر والے بسکٹوں کی ایک تھیلی آرمسٹرانگ کے بستے میں آرام سے رکھی تھی۔ وہ کبھی کبھی انہیں اپنی ہتھیلیوں میں گول کرتا اور آہستہ سے نگل جاتا۔ ذرات اس کے ہونٹوں کے ٹشو پر چپکے تھے۔ میٹھی کی ہوئی لڑکے کی سانس۔ آسودہ حال لوگ، فخر کہ ان کا بڑا بیٹا بحریہ میں ہے۔ ویکو روڈ، ڈالکی۔

پیرہس، سر؟ پیرہس، ایک گھاٹ۔

سب ہنس پڑے۔ بے مسرت، تیز، بدخواہ ہنسی۔ آرمسٹرانگ نے اپنے ہم جماعتوں کی طرف دیکھا، پروفائل میں بے وقوفانہ خوشی۔ ابھی ایک لمحے میں وہ اور زور سے ہنسیں گے، میرے بے اختیاری کے شعور کے ساتھ، اور ان فیسوں کے احساس کے ساتھ جو ان کے باپ ادا کرتے ہیں۔

اب بتاؤ، اسٹیفن نے کتاب سے لڑکے کا کندھا ٹھونکتے ہوئے کہا، گھاٹ کیا ہوتا ہے؟

گھاٹ، سر، آرمسٹرانگ نے کہا۔ پانی میں نکلی ہوئی ایک چیز۔ ایک قسم کا پل۔ کنگزٹاؤن کا گھاٹ، سر۔

بعض پھر ہنسے، بے مسرت مگر بامعنی۔ پچھلی بنچ پر دو سرگوشیاں۔ ہاں۔ وہ جانتے تھے۔ کبھی نہ سیکھا تھا اور کبھی معصوم بھی نہ رہے تھے۔ سب۔ اس نے حسرت سے ان کے چہرے دیکھے: ایڈتھ، ایتھل، گرٹی، للی۔ ان جیسی۔ ان کی سانسیں بھی چائے اور مربے سے میٹھی، ان کے کنگن جدوجہد میں کھنکتے ہوئے۔

کنگزٹاؤن کا گھاٹ، اسٹیفن نے کہا۔ ہاں، ایک ناکام پل۔

الفاظ نے ان کی نگاہیں مضطرب کر دیں۔

کیسے، سر؟ کومن نے پوچھا۔ پل تو دریا کے پار ہوتا ہے۔

ہینز کی کتابچے کے لیے۔ یہاں کوئی سننے والا نہیں۔ آج رات، جنگلی شراب اور گفتگو کے بیچ، اس کے ذہن کے صیقل زدہ زرہ کو چھیدنے کے لیے۔ پھر کیا؟ اپنے آقا کے دربار کا ایک مسخرہ، برداشت کیا ہوا اور حقیر جانا ہوا، ایک نرم آقا کی تعریف جیتتا ہوا۔ انہوں نے وہ حصہ ہی کیوں چنا؟ محض ہموار لمس کے لیے نہیں۔ ان کے لیے بھی تاریخ ایک کہانی تھی، جیسی بار بار سنی جائے، اور ان کا ملک ایک گراں فروش کی دکان۔

اگر پیرہس آرگوس میں کسی بڑھیا کے ہاتھ نہ گرا ہوتا یا جولیس سیزر چاقوؤں سے نہ مارا گیا ہوتا۔ انہیں سوچ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ وقت نے ان پر داغ لگا دیا ہے اور وہ باندھے ہوئے ان لامتناہی امکانات کے کمرے میں رکھے ہیں جنہیں انہوں نے خود بے دخل کیا۔ مگر کیا وہ ممکن ہو سکتے تھے جب وہ کبھی ہوئے ہی نہیں؟ یا صرف وہی ممکن تھا جو واقع ہوا؟ بُنو، اے ہوا کے بُننے والے۔

ایک کہانی سنائیے، سر۔
او، سنائیے، سر۔ بھوت کی کہانی۔

تم اس میں کہاں سے شروع کرتے ہو؟ اسٹیفن نے دوسری کتاب کھولتے ہوئے پوچھا۔

اب مزید نہ رو، کومن نے کہا۔

اچھا، ٹالبوٹ، آگے بڑھو۔

اور کہانی، سر؟

بعد میں، اسٹیفن نے کہا۔ آگے پڑھو، ٹالبوٹ۔

ایک سانولا لڑکا کتاب کھول کر چستی سے اسے اپنے بستے کے سینے کے نیچے ٹکا کر بیٹھ گیا۔ وہ نظم کے ٹکڑے ٹکڑے، متن پر عجیب سی نگاہوں کے ساتھ پڑھنے لگا:
اب مزید نہ رو، اے غم زدہ چرواہوں، مزید نہ رو
لائسیڈس کے لیے، تمہارا غم مرا نہیں،
اگرچہ وہ پانی کی تہہ کے نیچے ڈوب گیا ہے...

پھر یہ ایک حرکت ہی ہونی چاہیے، امکان کی فعلیت بطور امکان۔ ارسطو کا فقرہ اس کے اندر بے ربط پڑھے گئے اشعار سے بنتا ہوا ابھرا اور سین ژنویو کی لائبریری کی محنتی خاموشی میں تیر گیا جہاں وہ رات در رات پڑھتا تھا، پیرس کے گناہ سے بچا ہوا۔ اس کے کہنی کے پاس ایک نازک سیامی لڑکا حکمت عملی کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ میرے گرد دماغ تھے، کھائے ہوئے اور کھاتے ہوئے، چراغوں کے نیچے، نیزوں پر چڑھے ہوئے، ہلکی سی جنبش لیتے ہوئے۔ اور میرے ذہن کے اندھیرے میں زیریں دنیا کا ایک سست جانور، روشنی سے جھجکتا ہوا، اپنی اژدہائی، چھلکے دار لپٹیں بدلتا ہوا۔ فکر، فکر کی فکر ہے۔ پُرسکون روشنی۔ روح کسی معنی میں ہر شے ہے۔ روح صورتوں کی صورت ہے۔ اچانک، وسیع، روشن سکون۔ صورتوں کی صورت۔

ٹالبوٹ نے دہرایا:
اس کی عزیز قوت سے جو لہروں پر چلا،
اس کی عزیز قوت سے...

صفحہ پلٹو، اسٹیفن نے آہستہ سے کہا۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

کیا، سر؟ ٹالبوٹ نے سادگی سے جھکتے ہوئے پوچھا۔

اس کے ہاتھ نے صفحہ پلٹا۔ وہ پیچھے ہوا اور پھر دوبارہ پڑھنے لگا، ابھی یاد آیا تھا۔ اس کا جو لہروں پر چلا۔ یہاں بھی ان بزدل دلوں کے اوپر اس کا سایہ ہے، اور ٹھٹھا کرنے والے کے دل اور ہونٹوں پر، اور میرے اپنے پر۔ وہ ان کے مشتاق چہروں پر ہے جنہوں نے اسے خراج کا سکہ دیا تھا۔ قیصر کو وہ جو قیصر کا ہے، خدا کو وہ جو خدا کا ہے۔ تاریک آنکھوں کی ایک طویل نظر، ایک پہیلی آمیز جملہ جو کلیسا کے کرگھوں پر بار بار بُنا جائے گا۔ ہاں۔ پہیلی پوچھو، پہیلی پوچھو، رینڈی رو۔ میرے باپ نے مجھے بونے کو بیج دیے۔

ٹالبوٹ نے بند کتاب اپنے بستے میں سرکا دی۔

کیا سب سن لیا میں نے؟ اسٹیفن نے پوچھا۔

جی سر۔ دس بجے ہاکی، سر۔
آدھا دن، سر۔ جمعرات۔

کون ایک پہیلی کا جواب دے سکتا ہے؟ اسٹیفن نے پوچھا۔

وہ اپنی کتابیں سمیٹنے لگے، پنسلیں کھٹکنے لگیں، صفحے سرسرانے لگے۔ ایک دوسرے سے گتھم گتھا، پٹیاں باندھتے ہوئے، بکسے بند کرتے ہوئے، سب خوشی سے بولتے چلاتے:
ایک پہیلی، سر؟ مجھ سے پوچھیے، سر۔
او، مجھ سے پوچھیے، سر۔
ایک مشکل والی، سر۔

یہ پہیلی ہے، اسٹیفن نے کہا:
مرغ نے بانگ دی،
آسمان نیلا تھا،
آسمان کی گھنٹیاں
گیارہ بجا رہی تھیں۔
اب وقت ہے اس غریب روح کے
جنت کو جانے کا۔
وہ کیا ہے؟

کیا، سر؟
پھر سے، سر۔ ہم نے سنا نہیں۔

جب مصرعے دہرائے گئے تو ان کی آنکھیں اور بڑی ہو گئیں۔ ایک خاموشی کے بعد کوکرین نے کہا:
یہ کیا ہے، سر؟ ہم ہار گئے۔

اسٹیفن نے، گلا کھجاتا ہوا، جواب دیا:
ایک لومڑی اپنی نانی کو ہولی کی جھاڑی کے نیچے دفن کر رہی ہے۔

وہ کھڑا ہوا اور ایک عصبی ہنسی کی للکار ماری جس کی بازگشت میں ان کی چیخوں نے خوف کی گونج پیدا کی۔

دروازے پر ایک لاٹھی لگی اور راہداری سے ایک آواز آئی:
ہاکی!

وہ منتشر ہو گئے، اپنی بنچوں سے کنارے کنارے نکلتے ہوئے، ان پر سے چھلانگ لگاتے ہوئے۔ جلد ہی وہ غائب تھے اور سامان والے کمرے سے لاٹھیوں کی کھڑکھڑاہٹ، جوتوں اور زبانوں کا شور آنے لگا۔

صرف سارجنٹ جو رکا رہا تھا، آہستہ سے آگے آیا، ایک کھلی ہوئی نقل دکھاتا ہوا۔ اس کے گھنے بال اور ہڈی دار گردن اس کی ناتجربہ کاری کی گواہی دیتے تھے، اور اس کے دھندلے شیشوں کے پیچھے کمزور آنکھیں التجا سے اوپر اٹھتی تھیں۔ اس کے گال پر، پھیکا اور بے خون، سیاہی کا ایک نرم داغ پڑا تھا، تاریخ کی شکل کا، تازہ اور نم، گھونگھے کے بستر کی طرح۔

اس نے اپنی نقل آگے کی۔ عنوان میں "حساب" لکھا تھا۔ نیچے ترچھے اعداد تھے اور سب سے آخر میں ایک ٹیڑھا دستخط، اندھی گرہوں اور ایک دھبے کے ساتھ۔ سائرل سارجنٹ۔ اس کا نام اور اس کی مہر۔

مسٹر ڈیسی نے مجھے کہا تھا کہ میں یہ سب پھر سے لکھوں، اس نے کہا، اور آپ کو دکھاؤں، سر۔

اسٹیفن نے کتاب کے کناروں کو چھوا۔ بے حاصلی۔

کیا اب تم سمجھتے ہو کہ انہیں کیسے کرنا ہے؟ اس نے پوچھا۔

نمبر گیارہ سے پندرہ تک، سارجنٹ نے جواب دیا۔ مسٹر ڈیسی نے کہا تھا کہ میں انہیں تختے سے نقل کر لوں، سر۔

کیا تم انہیں خود کر سکتے ہو؟ اسٹیفن نے پوچھا۔

نہیں، سر۔

بدصورت اور بے حاصل۔ پتلی گردن اور گھنے بال اور سیاہی کا داغ، گھونگھے کا بستر۔ پھر بھی کسی نے اسے چاہا تھا، اسے اپنے بازوؤں اور اپنے دل میں اٹھایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتی تو دنیا کی نسل اسے اپنے پیروں تلے روند ڈالتی، ایک کچلا ہوا بے ہڈی گھونگھا۔ اس نے اس کے کمزور، پانی جیسے خون کو چاہا تھا جو اسی کے اپنے سے نچڑا تھا۔ تو کیا وہی حقیقی تھا؟ زندگی کی ایک ہی سچی چیز؟ اس کی ماں کا پھیلا ہوا جسم جس پر آتشیں کولمبانس اپنے پاک جوش میں سوار تھا۔ وہ اب نہ رہی۔ آگ میں جلی ہوئی ٹہنی کے لرزتے ڈھانچے کی مانند، گلابی لکڑی اور بھیگی راکھ کی بو۔ اس نے اسے روندے جانے سے بچایا تھا اور خود چلی گئی تھی، گویا تھی ہی بمشکل۔ ایک غریب روح جنت کو گئی ہوئی۔ اور جھاڑیوں والے میدان میں جھپکتی ہوئی تاروں کے نیچے ایک لومڑی، اس کی کھال میں لوٹ مار کی سرخ بو، بے رحم روشن آنکھوں کے ساتھ، زمین کھودتی، سنتی، پھر کھودتی، پھر سنتی، پھر کھودتی اور کھودتی۔

اس کے پہلو میں بیٹھ کر اسٹیفن نے مسئلہ حل کیا۔ وہ الجبرا سے ثابت کرتا ہے کہ شیکسپیئر کا بھوت ہیملٹ کا دادا ہے۔ سارجنٹ ترچھی عینکوں سے کجی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ سامان والے کمرے میں ہاکی کی لاٹھیاں کھڑکھڑائیں، گیند کی کھوکھلی ضرب، میدان سے پکاریں۔

صفحے کے اس پار نشان ایک سنجیدہ موریس ناچ میں حرکت کر رہے تھے، اپنے حروف کے بہروپیے پن میں، چوکوروں اور مکعبوں کی عجیب ٹوپیاں پہنے ہوئے۔ ہاتھ دو، ایک دوسرے کے سامنے سے گزر جاؤ، ساتھی کو جھک کر سلام کرو۔ اس طرح۔ موروں کی خیالی شرارتوں کے دیو۔ وہ بھی دنیا سے جا چکے۔ ابن رشد اور موسیٰ میمونیدس، رنگ اور حرکت میں گھرے آدمی، اپنے ٹھٹھا کرتے آئینوں میں دنیا کی مبہم روح کی چمک دکھاتے ہوئے، ایک اندھیرا جو روشنی میں چمکتا ہے جسے روشنی سمجھ نہ سکی۔

اب سمجھ آئے؟ کیا دوسری مثال تم خود کر سکتے ہو؟

جی، سر۔

لمبے، لرزتے ہوئے خطوں میں سارجنٹ نے اعداد نقل کیے۔ ہمیشہ مدد کے ایک لفظ کا منتظر، اس کا ہاتھ بے ثبات نشانوں کو وفاداری سے حرکت دیتا رہا، اس کی پھیکی جلد کے پیچھے شرم کی ہلکی سی لَو جھلملا رہی تھی۔ ماں کی محبت۔ اضافت فاعلی بھی اور اضافت مفعولی بھی۔ اپنے کمزور خون اور کھٹے مٹھے دودھ سے اس نے اسے پالا تھا اور دوسروں کی نگاہ سے اس کے لپٹے ہوئے کپڑے چھپائے تھے۔

میں بھی ایسا ہی تھا، یہ جھکے ہوئے کندھے، یہ بے ڈھنگی۔ میرا بچپن میرے پہلو میں جھکا ہوا ہے۔ اتنا دور کہ میں ایک بار بھی وہاں ہاتھ نہ رکھ سکوں، ہلکا سا بھی نہیں۔ میرا دور ہے اور اس کا راز بھی، ہماری آنکھوں کی طرح۔ راز، خاموش، پتھریلے، ہمارے دونوں دلوں کے تاریک محلوں میں بیٹھے ہیں۔ راز، اپنی آمریت سے تھکے ہوئے۔ ظالم، جو معزول ہونا چاہتے ہیں۔

حساب مکمل ہو گیا۔

یہ بہت آسان ہے، اسٹیفن نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

جی، سر۔ شکریہ، سارجنٹ نے جواب دیا۔

اس نے صفحہ باریک جاذب کاغذ سے خشک کیا اور اپنی نقل اٹھا کر اپنی بنچ کی طرف واپس لے گیا۔

بہتر ہے اپنی لاٹھی لے کر باہر دوسروں کے پاس جاؤ، اسٹیفن نے کہا، لڑکے کے بے سلیقہ وجود کے پیچھے دروازے تک جاتے ہوئے۔

جی، سر۔

راہداری میں اس کا نام کھیل کے میدان سے پکارا گیا۔

سارجنٹ!

بھاگو، اسٹیفن نے کہا۔ مسٹر ڈیسی تمہیں بلا رہے ہیں۔

وہ برآمدے میں کھڑا رہا اور سست لڑکے کو اس بے ترتیب میدان کی طرف جلدی میں جاتے دیکھتا رہا جہاں تیز آوازیں باہم جھگڑ رہی تھیں۔ ان کی ٹیمیں بن چکی تھیں اور مسٹر ڈیسی گھاس کے پتلے تنکوں پر اپنی گیٹر بند ٹانگوں سے قدم رکھتے ہوئے واپس آ رہے تھے۔ جب وہ اسکول کی عمارت تک پہنچے تو پھر آوازیں، ایک دوسرے سے لڑتی ہوئی، انہیں پکارنے لگیں۔ اس نے اپنی سفید غصیلی مونچھ موڑی۔

اب کیا ہے؟ وہ بار بار چیخا، سنے بغیر۔

کوکرین اور ہالیڈے ایک ہی طرف ہیں، سر، اسٹیفن نے کہا۔

آپ ذرا میرے مطالعے کے کمرے میں ایک لمحہ انتظار کریں، مسٹر ڈیسی نے کہا، جب تک میں یہاں پھر سے ترتیب بحال نہ کر دوں۔

اور جب وہ جھنجھلاہٹ سے میدان کی طرف واپس گیا تو اس کی بوڑھی آواز سختی سے چیخی: کیا معاملہ ہے؟ اب کیا ہے؟

تیز آوازیں اسے چاروں طرف سے گھیر رہی تھیں۔ ان کی بہت سی صورتیں اس کے گرد بند ہو گئیں۔ تیز دھوپ اس کے بُرے رنگے ہوئے سر کے شہد کو پھیکا کر رہی تھی۔

مطالعے کے کمرے میں باسی دھوئیں بھری ہوا تھی اور کرسیوں کے ماند، رگڑے ہوئے چمڑے کی بو۔ جیسے پہلے دن یہاں اس نے مجھ سے سودا کیا تھا۔ جیسا ابتدا میں تھا، ویسا اب ہے۔ الماری پر اسٹیورٹ دور کے سکوں کی ٹرے، دلدل کا بے قیمت خزانہ، اور ہمیشہ رہے گا۔ اور اپنے جامنی مخمل کے چمچ دان میں سمٹے ہوئے، پھیکے پڑے، بارہ رسول جنہوں نے تمام غیر قوموں کو تبلیغ کی تھی۔ جہاں تک دنیا ہے، بے انتہا۔

پتھریلے برآمدے پر جلد قدموں کی چاپ اور راہداری میں۔ اپنی کم باقی مونچھ میں ہوا بھرتا ہوا مسٹر ڈیسی میز کے پاس رکا۔

پہلے، ہمارا ذرا سا مالی تصفیہ، اس نے کہا۔

اس نے اپنے کوٹ سے چمڑے کی ڈوری سے بندھا ہوا ایک بٹوہ نکالا۔ وہ کھٹ سے کھلا اور اس نے اس میں سے دو نوٹ نکالے، ایک جڑے ہوئے آدھوں والا، اور انہیں احتیاط سے میز پر رکھا۔

دو، اس نے کہا، اور اپنا بٹوہ باندھ کر واپس رکھ لیا۔

اور اب سونے کے لیے اس کا مضبوط گھر۔ اسٹیفن کا جھجھکتا ہوا ہاتھ ٹھنڈے پتھر کے اوکھلے میں ڈھیر خولوں پر پھر گیا۔ گھونگھے، سیپیوں جیسے سکے، تیندوے خول، اور یہ، امیر کے عمامے کی طرح گھومتا ہوا، اور یہ سینٹ جیمز کی سیپی۔ کسی پرانے زائر کا خزانہ، مردہ خزانہ، کھوکھلے خول۔

ایک سکہ، روشن اور نیا، میزپوش کے نرم ڈھیر پر گر پڑا۔

تین، مسٹر ڈیسی نے کہا، اپنا چھوٹا بچت ڈبہ ہاتھ میں گھماتے ہوئے۔ یہ چیزیں رکھنے کی بڑی سہولت ہوتی ہیں۔ دیکھو۔ یہ سونے کے سکوں کے لیے ہے۔ یہ شلنگوں کے لیے۔ چھ پنس، آدھے کراؤن۔ اور یہاں پورے کراؤن۔ دیکھو۔

اس نے اس میں سے دو کراؤن اور دو شلنگ نکالے۔

تین بارہ، اس نے کہا۔ میرا خیال ہے تم پاؤ گے کہ یہی درست ہے۔

شکریہ، سر، اسٹیفن نے کہا، جلدی اور جھجکتے ہوئے پیسے جمع کرتے ہوئے اور انہیں اپنی پتلون کی جیب میں رکھتے ہوئے۔

بالکل شکریہ کی ضرورت نہیں، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ تم نے یہ کمایا ہے۔

اسٹیفن کا ہاتھ، پھر سے آزاد، واپس کھوکھلے خولوں پر جا پڑا۔ خوبصورتی اور قوت کی علامتیں بھی۔ میری جیب میں ایک گانٹھ۔ لالچ اور مفلسی سے میلے نشان۔

ایسے مت رکھو، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ کہیں گرا دو گے اور کھو بیٹھو گے۔ تم ان میں سے ایک مشین خرید لو۔ بڑی کارآمد ملے گی۔

کچھ جواب دو۔

میری تو اکثر خالی ہوا کرے گی، اسٹیفن نے کہا۔

وہی کمرہ اور وہی ساعت، وہی دانائی، اور میں بھی وہی۔ تین بار اب۔ تین پھندے یہاں میرے گرد۔ اچھا؟ میں اگر چاہوں تو اسی لمحے انہیں توڑ سکتا ہوں۔

کیونکہ تم بچت نہیں کرتے، مسٹر ڈیسی نے کہا، انگلی اٹھاتے ہوئے۔ تم ابھی نہیں جانتے کہ پیسہ کیا ہے۔ پیسہ طاقت ہے۔ جب تم اتنا جی چکو گے جتنا میں جی چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں۔ اگر جوانی جانتی۔ مگر شیکسپیئر کیا کہتا ہے؟ بس اپنی جیب میں پیسہ رکھو۔

ایاگو، اسٹیفن نے زیر لب کہا۔

اس نے بے کار پڑے خولوں سے نظر اٹھا کر بوڑھے آدمی کی نگاہ سے نگاہ ملائی۔

وہ جانتا تھا کہ پیسہ کیا ہوتا ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ اس نے پیسہ بنایا۔ شاعر تھا، ہاں، مگر ایک انگریز بھی۔ کیا تم جانتے ہو کہ انگریز کی شان کیا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سا سب سے زیادہ فخر والا لفظ ہے جو تم کبھی کسی انگریز کے منہ سے سنو گے؟

سمندروں کا حاکم۔ اس کی سمندری سرد آنکھیں خالی خلیج پر پڑی تھیں۔ لگتا ہے تاریخ ہی قصوروار ہے۔ مجھ پر بھی اور میرے لفظوں پر بھی، بغیر نفرت کے۔

یہ کہ اس کی سلطنت پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا، اسٹیفن نے کہا۔

باہ، مسٹر ڈیسی نے پکارا۔ یہ انگریزی نہیں۔ ایک فرانسیسی سیلٹ نے یہ کہا تھا۔

اس نے اپنے بچت والے ڈبے کو انگوٹھے کے ناخن سے ٹھونکا۔

میں تمہیں بتاؤں گا، اس نے سنجیدگی سے کہا، اس کی سب سے زیادہ فخر کی بات کیا ہے۔ میں نے اپنی راہ خود بنائی۔

اچھا آدمی، اچھا آدمی۔

میں نے اپنی راہ خود بنائی۔ میں نے زندگی میں کبھی ایک شلنگ بھی ادھار نہیں لیا۔ کیا تم اسے محسوس کر سکتے ہو؟ میں کسی کا مقروض نہیں۔ کیا تم ہو؟

ملیگن، نو پاؤنڈ، تین جوڑے جرابیں، ایک جوڑا بروگ جوتے، ٹائیاں۔ کرن، دس گنی۔ مک کین، ایک گنی۔ فریڈ رائن، دو شلنگ۔ ٹیمپل، دو دوپہر کے کھانے۔ رسل، ایک گنی۔ کزنز، دس شلنگ۔ باب رینالڈز، آدھی گنی۔ کوہلر، تین گنی۔ مسز مک کرنن، پانچ ہفتوں کی رہائش۔ جو گانٹھ میرے پاس ہے وہ بے کار ہے۔

فی الحال تو نہیں، اسٹیفن نے جواب دیا۔

مسٹر ڈیسی بھرپور مسرت سے ہنسے اور اپنا بچت ڈبہ واپس رکھ دیا۔

مجھے معلوم تھا تم نہیں ہو سکتے، اس نے خوشی سے کہا۔ مگر ایک دن تمہیں یہ محسوس کرنا ہوگا۔ ہم ایک سخی قوم ہیں مگر ہمیں منصف بھی ہونا چاہیے۔

مجھے ان بڑے الفاظ سے خوف آتا ہے، اسٹیفن نے کہا، جو ہمیں اتنا بدحال کر دیتے ہیں۔

مسٹر ڈیسی نے کچھ لمحے چمنی کے اوپر ایک بھاری، خوش وضع آدمی کی شبیہ کو سختی سے گھورا، ٹارٹن فلّی بیگز میں۔ البرٹ ایڈورڈ، ویلز کا شہزادہ۔

تم مجھے ایک پرانا بوسیدہ آدمی اور پرانا ٹوری سمجھتے ہو، اس کی سوچتی ہوئی آواز نے کہا۔ میں نے او کونل کے زمانے کے بعد سے تین نسلیں دیکھی ہیں۔ مجھے چھیالیس کا قحط یاد ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اورنج لاجوں نے اتحاد کے خاتمے کے لیے او کونل سے بیس سال پہلے ہنگامہ کیا تھا، یا تمہاری برادری کے پادریوں نے اسے عوام فریب کہہ کر رد کرنے سے پہلے؟ تم فینیئن لوگ کچھ چیزیں بھول جاتے ہو۔

شاندار، متقی اور لافانی یاد۔ آرماغ میں ڈائمنڈ کی لاج، پاپیوں کی لاشوں سے آراستہ۔ بھدری، نقاب پوش، مسلح آوازیں۔ آبادکاروں کا عہد۔ سیاہ شمال اور نیلی بائبل۔ کروپیز، لیٹ جاؤ۔

اسٹیفن نے ایک مختصر اشارہ بنایا۔

میرے اندر بھی باغی خون ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ ماں کی طرف سے۔ مگر میں سر جان بلیک ووڈ کی نسل سے ہوں جس نے اتحاد کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ ہم سب آئرش ہیں، سب بادشاہوں کے بیٹے۔

افسوس، اسٹیفن نے کہا۔

سیدھے راستوں سے، مسٹر ڈیسی نے مضبوطی سے کہا، یہی اس کا شعار تھا۔ اس نے اس کے حق میں ووٹ دیا اور ڈاؤن کے آرڈز سے ڈبلن تک سواری کے لیے اپنے لمبے بوٹ پہن لیے تھے۔

لال تھا رال تھا را
ڈبلن کی پتھریلی راہ

گھوڑے پر ایک کھردرا جاگیردار، چمکتے لمبے جوتے پہنے۔ نرم دن، سر جان۔ نرم دن، حضور۔ دن۔ دن۔ دو لمبے جوتے جھولتے ہوئے ڈبلن کو جاتے۔ لال تھا رال تھا را۔ لال تھا رال تھا ریڈی۔

یہ مجھے یاد دلاتا ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ تم میرے لیے اپنے ادبی دوستوں کے توسط سے ایک کام کر سکتے ہو، مسٹر ڈیڈلس۔ میرے پاس پریس کے لیے ایک خط ہے۔ ذرا بیٹھو۔ مجھے صرف آخر نقل کرنا ہے۔

وہ کھڑکی کے پاس میز کی طرف گیا، اپنی کرسی دو بار اندر کھینچی اور ٹائپ رائٹر کے رولر پر لگے صفحے سے کچھ الفاظ پڑھنے لگا۔

بیٹھ جاؤ۔ معاف کرنا، اس نے کندھے کے اوپر سے کہا، عام فہم کے تقاضے۔ ذرا ایک لمحہ۔

وہ اپنی گھنی بھنوؤں کے نیچے سے اپنے پاس رکھے مسودے کو گھورتا اور بڑبڑاتا ہوا سست رفتاری سے سخت بٹنوں کو دباتا گیا، کبھی کبھی غلطی مٹانے کو رولر گھماتے ہوئے اس پر پھونک مار دیتا۔

اسٹیفن خاموشی سے شہزادہ نما موجودگی کے سامنے بیٹھ گیا۔ دیواروں پر ماضی کے گھوڑوں کی تصویریں تھیں، گویا تعظیم میں کھڑی ہوں، ان کے نرم سر ہوا میں ٹھہرے ہوئے۔ لارڈ ہیسٹنگز کا رپلس، ڈیوک آف ویسٹ منسٹر کا شاٹوور، ڈیوک آف بیوفورٹ کا سیلون، پری دے پاری، اٹھارہ سو چھیاسٹھ۔ پری چہرے سوار ان پر بیٹھے تھے، کسی اشارے کے منتظر۔ اس نے ان کی رفتاریں دیکھیں، بادشاہ کے رنگوں کے ساتھ، اور گم ہو چکے ہجوموں کے نعروں کے ساتھ خود بھی چلایا۔

فل اسٹاپ، مسٹر ڈیسی نے اپنی کنجیوں سے کہا۔ مگر اس نہایت اہم سوال کی فوری وضاحت...

جہاں کرینلی مجھے جلد امیر ہونے کے لیے لے گیا تھا، اپنے جیتنے والوں کو کیچڑ اچھالتے بریکوں کے درمیان ڈھونڈتے ہوئے، اپنے ٹھکانوں پر کھڑے بکیوں کی چیخوں اور کینٹین کی بو کے بیچ، اس رنگ برنگی کیچڑ پر۔ فیئر ریبل! فیئر ریبل! برابر داؤ پر پسندیدہ، پورا میدان دس کے مقابل ایک۔ ہم جوئے بازوں اور خول بازی کرنے والوں کے پاس سے ٹاپوں کے پیچھے جلدی سے نکلے، مقابلہ کرتی ٹوپیوں اور جیکٹوں کے پیچھے، اور قصائی چہرے والی عورت کے پاس سے، قصائی کی بیوی، جو اپنی لونگ لگی سنترے کی پھانک کو پیاس سے سونگھ رہی تھی۔

لڑکوں کے کھیل کے میدان سے تیز چیخیں اٹھیں اور ایک گھومتی ہوئی سیٹی۔ پھر۔ ایک گول۔ میں ان کے درمیان ہوں، ان کے لڑتے ہوئے جسموں کے بیچ، زندگی کا نیزہ آزمائی میدان۔ تمہارا مطلب اس گھٹنے والے لاڈلے سے ہے جو کچھ کوّوں سے بیمار سا لگتا ہے؟ نیزہ آزمائیاں۔ وقت صدموں کے ساتھ لوٹتا ہے، ایک صدمہ پھر دوسرا۔ نیزہ آزمائیاں، کیچڑ اور لڑائیوں کا شور، مقتولوں کی جما ہوا موت کی قے، نیزوں کی نوکیلی پکاریں جن پر آدمیوں کی خونی انتڑیاں لگی ہیں۔

اب پھر، مسٹر ڈیسی نے کہا، اٹھتے ہوئے۔

وہ میز کی طرف آیا، اپنے کاغذ سمیٹتا ہوا۔ اسٹیفن کھڑا ہو گیا۔

میں نے بات کو نہایت مختصر کر دیا ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ یہ گل گھوٹو اور منہ کھر کے مرض کے بارے میں ہے۔ ذرا دیکھو اسے۔ اس معاملے میں دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں۔

کیا میں آپ کی قیمتی جگہ میں دخل دے سکتا ہوں۔ وہ اصولِ عدم مداخلت جس نے ہماری تاریخ میں اتنی بار۔ ہماری مویشی تجارت۔ ہماری تمام پرانی صنعتوں کی چال۔ لیورپول حلقہ جس نے گالوی بندرگاہ کے منصوبے کو پٹخنی دی۔ یورپی شعلہ افروزی۔ چینل کے تنگ پانیوں سے اناج کی رسد۔ محکمہ زراعت کی پلوتھ پرفیکٹ بے اضطرابی۔ ایک کلاسیکی اشارے کے لیے معافی۔ کیساندرا۔ ایک ایسی عورت کے ذریعے جو اتنی اچھی نہ تھی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ اصل مسئلے کی طرف آتے ہیں۔

میں بات چباتا نہیں، کیا میں؟ مسٹر ڈیسی نے پوچھا جب اسٹیفن پڑھ رہا تھا۔

گل گھوٹو اور منہ کھر کا مرض۔ جسے کوچ کی تیاری کہا جاتا ہے۔ سیرم اور وائرس۔ نمک لگے گھوڑوں کا تناسب۔ رِنڈر پیسٹ۔ مرزسٹگ، زیریں آسٹریا میں شہنشاہ کے گھوڑے۔ جانوروں کے ڈاکٹر۔ مسٹر ہنری بلیک ووڈ پرائس۔ منصفانہ آزمائش کی شائستہ پیش کش۔ عام فہم کے تقاضے۔ نہایت اہم سوال۔ ہر معنی میں بیل کے سینگ پکڑنا۔ آپ کے ستونوں کی مہمان نوازی کا شکریہ۔

میں چاہتا ہوں یہ چھپے اور پڑھا جائے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ تم دیکھو گے اگلی وبا پر وہ آئرش مویشیوں پر پابندی لگا دیں گے۔ حالانکہ اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ ہوتا ہے۔ میرا کزن بلیک ووڈ پرائس مجھے لکھتا ہے کہ آسٹریا میں وہاں کے جانوروں کے ڈاکٹروں کے ذریعے اس کا باقاعدہ علاج ہوتا ہے اور مریض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ وہ یہاں آنے کی پیش کش کرتے ہیں۔ میں محکمہ میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب میں اشاعت کی کوشش کروں گا۔ میں مشکلات میں گھرا ہوا ہوں، سازشوں میں، پچھلے دروازے کے اثر و رسوخ میں...

اس نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور اس کے بولنے سے پہلے ہوا میں بوڑھے انداز سے ماری۔

اپنی بات یاد رکھنا، مسٹر ڈیڈلس، اس نے کہا۔ انگلستان یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ سب سے اونچی جگہوں پر۔ اس کی مالیات، اس کا پریس۔ اور یہ ایک قوم کے زوال کی نشانیاں ہیں۔ جہاں کہیں وہ اکٹھے ہوتے ہیں قوم کی حیاتی قوت کو کھا جاتے ہیں۔ میں برسوں سے اسے آتے دیکھ رہا ہوں۔ جتنا یقین ہے کہ ہم یہاں کھڑے ہیں اتنا ہی یقین ہے کہ یہودی تاجر پہلے ہی تباہی کے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ پرانا انگلستان مر رہا ہے۔

وہ جلدی سے ہٹا، اس کی آنکھوں میں ایک چوڑی دھوپ کی لکیر سے گزرتے ہوئے نیلی جان آ گئی۔ وہ مڑا اور پھر واپس آیا۔

مر رہا ہے، اس نے پھر کہا، اگر اب تک مر نہ چکا ہو۔

بازاری عورت کی گلی گلی پکار
پرانے انگلستان کا کفن بُنے گی

اس کی آنکھیں کشادہ، رویا کی مانند، اس دھوپ کی لکیر کے پار سختی سے دیکھ رہی تھیں جہاں وہ رکا تھا۔

ایک سوداگر، اسٹیفن نے کہا، وہ ہے جو سستا خریدتا ہے اور مہنگا بیچتا ہے، خواہ یہودی ہو یا غیر یہودی، ہے نا؟

انھوں نے روشنی کے خلاف گناہ کیا، مسٹر ڈیسی نے سنجیدگی سے کہا۔ اور تم ان کی آنکھوں میں تاریکی دیکھ سکتے ہو۔ اور اسی لیے وہ آج تک زمین پر آوارہ ہیں۔

پیرس اسٹاک ایکسچینج کی سیڑھیوں پر سنہری کھال والے مرد اپنی جواہردار انگلیوں پر نرخ بتاتے ہوئے۔ ہنسوں کا غل۔ وہ شور مچاتے، بھدے، ہیکل کے گرد منڈلاتے تھے، ان کے سر بھدّی ریشمی ٹوپیوں کے نیچے موٹی سازشیں بُن رہے تھے۔ ان کے نہیں تھے یہ کپڑے، یہ زبان، یہ اشارے۔ ان کی بھری بھری سست آنکھیں ان الفاظ اور اشاروں کی تردید کرتی تھیں، بیتاب اور بے آزار، مگر ان کے گرد جمی رنجشوں کو جانتی تھیں اور جانتی تھیں کہ ان کا جوش بے سود ہے۔ ڈھیر کرنے اور جمع کرنے کا بے سود صبر۔ وقت یقیناً سب کچھ بکھیر دے گا۔ سڑک کنارے ڈھیر کیا ہوا خزانہ، لوٹا ہوا اور گزر گیا۔ ان کی آنکھیں اپنی آوارگی کے برس جانتی تھیں اور صبر سے اپنے جسم کی رسوائیاں بھی۔

کس نے نہیں؟ اسٹیفن نے کہا۔

کیا مطلب؟ مسٹر ڈیسی نے پوچھا۔

وہ ایک قدم آگے آیا اور میز کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس کا نچلا جبڑا ایک طرف ڈھل کر کھل گیا، غیر یقینی سے۔ کیا یہ بوڑھی دانائی ہے؟ وہ مجھ سے سننا چاہتا ہے۔

تاریخ، اسٹیفن نے کہا، ایک ڈراؤنا خواب ہے جس سے میں بیدار ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔

کھیل کے میدان سے لڑکوں نے ایک چیخ بلند کی۔ گھومتی ہوئی سیٹی۔ گول۔ کیا ہوا اگر وہ ڈراؤنا خواب تمہیں پچھلی لات مار دے؟

خالق کے راستے ہمارے راستے نہیں، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ ساری انسانی تاریخ ایک عظیم مقصد کی طرف بڑھ رہی ہے، خدا کے ظہور کی طرف۔

اسٹیفن نے کھڑکی کی طرف انگوٹھا جھٹکا اور کہا:
وہ خدا ہے۔

ہُرّے! آہ! وھرر وہی!

کیا؟ مسٹر ڈیسی نے پوچھا۔

گلی کا شور، اسٹیفن نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

مسٹر ڈیسی نے نیچے دیکھا اور کچھ دیر اپنی ناک کے پَر انگلیوں کے بیچ دبائے رکھے۔ پھر دوبارہ اوپر دیکھ کر انہیں چھوڑ دیا۔

میں تم سے زیادہ خوش ہوں، اس نے کہا۔ ہم نے بہت سی غلطیاں کی ہیں اور بہت سے گناہ۔ ایک عورت گناہ دنیا میں لائی۔ ایک ایسی عورت کے لیے جو اتنی اچھی نہ تھی جتنی ہونی چاہیے تھی، ہیلن، مینیلاؤس کی بھاگی ہوئی بیوی، یونانیوں نے ٹروا پر دس برس جنگ کی۔ ایک بے وفا بیوی ہی پہلے اجنبیوں کو ہمارے کنارے لائی، مک مرو کی بیوی اور اس کا آشنا، او رورک، بریفنی کا شہزادہ۔ ایک عورت نے پارنل کو بھی گرا دیا۔ بہت سی غلطیاں، بہت سی ناکامیاں، مگر وہ ایک گناہ نہیں۔ میں اب اپنی عمر کے آخر میں ایک مجاہد ہوں۔ مگر میں آخر تک حق کے لیے لڑوں گا۔

کیونکہ السٹر لڑے گا
اور السٹر حق پر ہوگا

اسٹیفن نے اپنے ہاتھ میں کاغذ بلند کیے۔

اچھا، سر، وہ بولا۔

میں دیکھ رہا ہوں، مسٹر ڈیسی نے کہا، کہ تم اس کام میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرو گے۔ میرا خیال ہے تم استاد بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ شاید میں غلط ہوں۔

زیادہ صحیح یہ کہ شاگرد، اسٹیفن نے کہا۔

اور یہاں تم مزید کیا سیکھو گے؟

مسٹر ڈیسی نے سر ہلایا۔

کون جانے؟ اس نے کہا۔ سیکھنے کے لیے آدمی کو منکسر ہونا چاہیے۔ مگر زندگی ہی بڑی معلم ہے۔

اسٹیفن نے کاغذات پھر سرسرائے۔

جہاں تک ان کا تعلق ہے، وہ بولا۔

ہاں، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ تمہارے پاس ان کی دو نقلیں ہیں۔ اگر تم انہیں فوراً چھپوا سکو۔

ٹیلی گراف۔ آئرش ہوم سٹیڈ۔

میں کوشش کروں گا، اسٹیفن نے کہا، اور کل آپ کو بتاؤں گا۔ میں دو مدیران کو تھوڑا سا جانتا ہوں۔

بس وہی کافی ہے، مسٹر ڈیسی نے پھرتی سے کہا۔ میں نے کل رات مسٹر فیلڈ، رکن پارلیمان، کو لکھا تھا۔ آج سٹی آرمز ہوٹل میں مویشی تاجروں کی انجمن کی نشست ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میرا خط اجلاس کے سامنے رکھے۔ تم دیکھو کہ اسے اپنے دو اخباروں میں لے آؤ۔ کون سے ہیں وہ؟

ایوننگ ٹیلی گراف...

وہی کافی ہے، مسٹر ڈیسی نے کہا۔ وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں۔ اب مجھے اپنے کزن کے خط کا جواب دینا ہے۔

صبح بخیر، سر، اسٹیفن نے کہا، کاغذات اپنی جیب میں رکھتے ہوئے۔ شکریہ۔

کچھ بھی نہیں، مسٹر ڈیسی نے کہا، اپنی میز پر کاغذات میں ڈھونڈتے ہوئے۔ مجھے تم سے نیزہ آزمانا اچھا لگتا ہے، اس عمر میں بھی۔

صبح بخیر، سر، اسٹیفن نے پھر کہا، اس کی جھکی ہوئی پیٹھ کو جھک کر سلام کرتے ہوئے۔

وہ کھلے برآمدے سے باہر نکلا اور درختوں کے نیچے بجری کی راہ پر نیچے گیا، کھیل کے میدان سے آوازوں کی چیخیں اور لاٹھیوں کی ٹوٹ سن رہا تھا۔ دروازے سے نکلتے ہوئے ستونوں پر بیٹھے ہوئے شیر۔ بے دانت دہشتیں۔ پھر بھی میں اس کی لڑائی میں اس کی مدد کروں گا۔ ملیگن مجھے ایک نیا نام دے گا: بچھڑوں کا دوست شاعر۔

مسٹر ڈیڈلس!

میرے پیچھے دوڑتا ہوا۔ امید ہے اور کوئی خط نہیں۔

بس ایک لمحہ۔

جی، سر، اسٹیفن نے دروازے پر پلٹتے ہوئے کہا۔

مسٹر ڈیسی رکا، سخت سانس لیتا ہوا اور سانس نگلتا ہوا۔

میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا، اس نے کہا۔ کہتے ہیں آئرلینڈ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ واحد ملک ہے جس نے کبھی یہودیوں پر ظلم نہیں کیا۔ کیا تم جانتے ہو یہ؟ نہیں۔ اور کیا تم جانتے ہو کیوں؟

اس نے روشن ہوا میں سخت تیوری چڑھائی۔

کیوں، سر؟ اسٹیفن نے پوچھا، ہلکی سی مسکراہٹ شروع کرتے ہوئے۔

کیونکہ اس نے انہیں کبھی اندر آنے ہی نہیں دیا، مسٹر ڈیسی نے سنجیدگی سے کہا۔

کھانسی سے بھرا ایک قہقہہ اس کے گلے سے اچھلا، اپنے پیچھے بلغم کی کھڑکھڑاتی زنجیر گھسیٹتا ہوا۔ وہ تیزی سے مڑا، کھانستا، ہنستا، اس کے اٹھے ہوئے بازو ہوا میں لہرا رہے تھے۔

اس نے انہیں کبھی اندر آنے ہی نہیں دیا، وہ پھر ہنسی کے بیچ چلایا، جب وہ بجری والے راستے پر اپنے موزہ بند جوتوں کے ساتھ پاؤں مارتا ہوا آگے بڑھا۔ بس اسی لیے۔

اس کے دانشمند کندھوں پر پتوں کی جالی سے چھن کر سورج نے چمکتے سکے پھینکے، ناچتے ہوئے سکے۔

مرئی کی ناگزیر صورت۔ کم از کم اتنا تو ہے، میری آنکھوں کے ذریعے سوچا گیا۔ ہر شے کے دستخط جنہیں پڑھنے کے لیے میں یہاں ہوں، سمندری جھاگ اور سمندری کائی، قریب آتی ہوئی مد، وہ زنگ آلود جوتا۔ ناک کی سبز، نیلگوں چاندی، زنگ: رنگوں کی نشانیاں۔ شفاف کی حدیں۔ مگر وہ اضافہ کرتا ہے: اجسام میں۔ تو وہ رنگوں سے پہلے اجسام سے آگاہ ہوا۔ کیسے؟ یقیناً اپنا سر ان سے ٹکرا کر۔ آہستہ۔ گنجا تھا اور کروڑ پتی بھی، رنگوں کا استاد۔ شفاف کی حد اندر۔ اندر کیوں؟ شفاف، غیر شفاف۔ اگر تم اپنی پانچ انگلیاں اس میں ڈال سکو تو وہ دروازہ ہے، اگر نہیں تو محض در۔ آنکھیں بند کرو اور دیکھو۔

اسٹیفن نے اپنی آنکھیں بند کیں تاکہ اپنے جوتوں کے نیچے خولوں اور کائی کے چرچرانے کی آواز سنے۔ تم اس کے اندر سے گزر رہے ہو جیسے بھی ہو۔ میں گزر رہا ہوں، ایک قدم ایک وقت میں۔ بہت تھوڑا سا وقت بہت چھوٹے چھوٹے وقفوں میں۔ پانچ، چھے: ناہائننڈر۔ بالکل: اور یہی سمعی کی ناگزیر صورت ہے۔ آنکھیں کھولو۔ نہیں۔ خدایا۔ اگر میں کسی چٹان سے نیچے گر پڑوں جو اپنی بنیاد پر جھکی ہو، اور اس نیبنائننڈر میں ناگزیر طور پر گرتا جاؤں۔ میں اندھیرے میں ٹھیک چل رہا ہوں۔ میری راکھ کی تلوار میرے پہلو میں لٹکی ہے۔ اس سے ٹھک ٹھک کرو: وہ کرتے ہیں۔ میرے دونوں پاؤں اس کے جوتوں میں اس کی ٹانگوں کے سروں پر ہیں، نیبنائننڈر۔ ٹھوس لگتا ہے: جیسے کسی کاریگر کے ہتھوڑے سے بنا ہو۔ کیا میں سینڈی ماؤنٹ کے ساحل پر چلتے ہوئے ابدیت میں جا رہا ہوں؟ چرچراہٹ، ٹک ٹک، کریک۔ جنگلی سمندری سکے۔ ڈومنی ڈیسی ان سب کو جانتا ہے۔ کیا تم سینڈی ماؤنٹ آؤ گی، میڈلین گھوڑی؟

تال شروع ہوتا ہے، دیکھو۔ میں سنتا ہوں۔ آئیمبس کے چار مصرعوں کا وزن چل رہا ہے۔ نہیں، ایک دوڑ، گھوڑی کی چال۔

اب آنکھیں کھولو۔ کھولوں گا۔ ایک لمحہ۔ کیا سب کچھ غائب ہو گیا ہے؟ اگر میں کھولوں اور ہمیشہ کے لیے سیاہ غیر شفاف میں رہ جاؤں۔ بس۔ میں دیکھوں گا کہ دیکھ سکتا ہوں یا نہیں۔ اب دیکھو۔ سب کچھ وہیں ہے تمہارے بغیر بھی، اور ہمیشہ رہے گا، دنیا بے انتہا۔

وہ لیہی کی چھت سے احتیاط سے سیڑھیاں اترے، عورتیں، اور ڈھلوانی ساحل سے نیچے نرم قدموں کے ساتھ، ان کے پھیلے ہوئے پاؤں کیچڑ بھری ریت میں دھنس رہے تھے۔ میری طرح، الگی کی طرح، اپنی عظیم ماں کی طرف آتے ہوئے۔ ایک نے اپنی دائی کا تھیلا بھاری انداز میں جھلایا، دوسری کی چھتری ریت میں گڑی تھی۔ آزادیوں کے علاقے سے، سیر کو نکلی ہوئی۔ مسز فلورنس میک کیب، مرحوم پیٹک میک کیب کی بیوہ، برائیڈ اسٹریٹ کی۔ ان ہی میں سے کسی نے مجھے چیختے ہوئے زندگی میں گھسیٹا تھا۔ عدم سے تخلیق۔ اس تھیلے میں کیا ہے؟ ایک مردہ پیدائش، ناف کی ڈوری کے ساتھ، سرخ اون میں لپٹی ہوئی۔ سب رشتوں کی ڈوریں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی، گوشت کا ایک بٹا ہوا ریشہ۔ اسی لیے صوفی راہب۔ کیا تم خدا کی مانند بنو گے؟ اپنی ناف میں جھانکو۔

ہیلو۔ کنچ یہاں۔ مجھے ایڈن ول سے ملا دو۔ الف، ابتدا: صفر، صفر، ایک۔

آدم قدیم کی زوجہ اور مددگار: حوا، ننگی۔ اس کی ناف نہ تھی۔ دیکھو۔ بے داغ پیٹ، ابھرا ہوا، کھینچی ہوئی جھلی کی ڈھال، نہیں، سفید ڈھیر اناج، مشرقی اور لازوال، ازل سے ابد تک قائم۔ گناہ کا رحم۔

میں بھی گناہ کی تاریکی میں رحم میں تھا، پیدا کیا گیا، جنا نہیں گیا۔ ان کے ذریعے، وہ آدمی جس کی آواز اور آنکھیں میری ہیں، اور ایک بھوت عورت جس کی سانس میں راکھ ہے۔ وہ ملے

اور جدا ہوئے، جوڑنے والے کی مرضی سے۔ زمانوں سے پہلے اس نے مجھے چاہا اور اب مجھے ختم نہیں کر سکتا۔ ایک ابدی قانون اس کے گرد ہے۔

ہوائیں اس کے گرد دوڑ رہی تھیں، کاٹتی ہوئی، بے تاب ہوائیں۔ وہ آ رہی ہیں، لہریں۔ سفید ایال والے سمندری گھوڑے، دانت پیستے ہوئے، ہوا کی لگاموں میں جکڑے، منانان کے گھوڑے۔

مجھے اس کا خط اخبار کے لیے نہیں بھولنا چاہیے۔ اور اس کے بعد؟ بارہ بجے جہاز۔ ویسے اس پیسے کے ساتھ احتیاط سے رہنا۔

ہاں، ضرور۔

اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ یہاں۔ کیا میں خالہ سارہ کے گھر جا رہا ہوں یا نہیں؟ میرے ہم جوہر باپ کی آواز۔ کیا تم نے اپنے فنکار بھائی اسٹیفن کو حال ہی میں دیکھا؟ نہیں؟ کیا وہ سٹرسبورگ ٹیرس میں اپنی خالہ کے پاس نہیں؟ کیا وہ اس سے اونچا نہیں اڑ سکتا؟ اور بتاؤ، اسٹیفن، چچا سی کیسے ہیں؟ اے روتے ہوئے خدا، میں کن لوگوں میں بیاہا گیا۔

وہ ان کے بند دروازے کی گھنٹی کھینچتا ہے اور انتظار کرتا ہے۔ وہ مجھے قرض خواہ سمجھتے ہیں، کونے سے جھانکتے ہیں۔

یہ اسٹیفن ہے، سر۔

اسے اندر آنے دو۔

کنڈی کھلتی ہے اور والٹر میرا استقبال کرتا ہے۔

ہم سمجھے کوئی اور ہے۔

وسیع بستر پر چچا رچی لیٹے ہیں، گھٹنوں کے ابھار پر بازو پھیلائے ہوئے۔ سینہ صاف۔ اوپر کا حصہ دھو چکے ہیں۔

صبح بخیر، بھتیجے۔

وہ اپنا تختہ ایک طرف رکھتا ہے جس پر وہ قانونی اخراجات کے مسودے لکھ رہا تھا۔

مالٹ لاؤ رچی اور اسٹیفن کے لیے، وہ کہتا ہے۔ وہ کہاں ہے؟

کریسی کو نہلا رہی ہے، سر۔

باپ کا ننھا ہم بستر۔

نہیں، انکل رچی۔

مجھے رچی کہو۔ تمہارا پانی بے کار۔ وہسکی۔

انکل رچی، واقعی۔

بیٹھ جاؤ ورنہ میں تمہیں گرا دوں گا۔

والٹر کرسی ڈھونڈتا ہے۔

اس کے پاس بیٹھنے کو کچھ نہیں، سر۔

اس کے پاس رکھنے کو جگہ نہیں، احمق۔

کچھ کھاؤ گے؟ نہیں؟ اچھا ہے۔ ہمارے پاس گھر میں کچھ نہیں سوائے درد کی گولیوں کے۔

وہ سیٹی بجاتا ہے، موسیقی کے ساتھ، ہوا کے جھونکوں کے ساتھ۔

یہ ہوا زیادہ شیریں ہے۔

زوال کے گھر، میرا، اس کا، سب کا۔ تم نے کلونگوز کے لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارا ایک چچا جج ہے اور ایک فوج میں جنرل۔ ان سے باہر آؤ، اسٹیفن۔ حسن وہاں نہیں۔ نہ مارش کی لائبریری کے ساکن پانی میں جہاں تم نے پیشین گوئیاں پڑھیں۔

ریت اس کے قدموں کے نیچے سے غائب ہو گئی تھی۔ اس کے جوتے پھر نم خولوں پر چل رہے تھے۔ ایک مردہ کتے کی سوجی ہوئی لاش کائی پر پڑی تھی۔ اس کے سامنے ایک کشتی کا کنارہ ریت میں دھ ّسا ہوا۔ یہ بھاری ریتیں زبان ہیں جسے مد اور ہوا نے یہاں جما دیا ہے۔ ماضی کا بوجھ۔

وہ رکا۔ میں خالہ سارہ کے راستے سے گزر چکا ہوں۔ کیا میں وہاں جا رہا ہوں؟ شاید نہیں۔

ایک کتا نظر آیا، ریت پر دوڑتا ہوا۔ خدا، کیا وہ مجھ پر حملہ کرے گا؟ اس کی آزادی کا احترام کرو۔ تم نہ دوسروں کے مالک ہو گے نہ غلام۔

دور سے دو شکلیں۔ وہی دو عورتیں۔ کتا ان کی طرف لوٹ رہا ہے۔

وائکنگ یہاں اترے تھے، شکار کی تلاش میں۔ قحط، وبا، قتل۔ ان کا خون مجھ میں ہے، ان کی خواہشیں میری لہروں میں۔

کتے کی بھونک اس کی طرف آئی، رکی، پھر لوٹ گئی۔ میرے دشمن کا کتا۔ میں بس کھڑا رہا، زرد، خاموش۔

میں اسے بچانا چاہتا۔ میں کوشش کرتا۔ میں اچھا تیراک نہیں۔ پانی سرد، نرم۔ میں اسے نہ بچا سکا۔ پانی، تلخ موت، گمشدگی۔

ایک مرد اور عورت۔ میں اس کی سکرٹ دیکھتا ہوں۔

کتا ادھر ادھر سونگھتا، پھر اچانک دوڑ پڑا۔ آدمی کی سیٹی۔ وہ واپس آیا، دم ہلاتا ہوا۔ لہروں کے سامنے رک کر بھونکا۔

وہ سیپ چننے والے تھے۔ پانی میں گئے، جھکے، اپنے تھیلے بھرے، واپس آئے۔ کتا ان کے ساتھ ساتھ۔

راستے میں مردہ کتے کی لاش۔ وہ رکا، سونگھا، گھوما، کھودا، جیسے کچھ دفن کر رہا ہو۔ اپنی نانی۔ پھر رکا، سنا، پھر پنجوں سے ریت اکھاڑی۔

بے چارہ جانور۔ یہاں ایک لاش پڑی ہے۔

دور ہو جا، او کتے۔

وہ اپنے مالک کی طرف دبک کر لوٹا۔ ایک لات اسے ریت پر اچھال گئی۔ وہ دائرہ بنا کر پھر چلا، ایک پتھر کے پاس پیشاب کیا، پھر دوسرے پر۔ غریب کی سادہ خوشیاں۔

میں نے کل رات یہی خواب دیکھا تھا یا؟ ٹھہرو۔ کھلا دالان۔ طوائفوں کی گلی۔ مجھے یاد ہے۔

اپنے تھیلے اٹھائے وہ چل پڑے، سرخ مصری۔ اس کے نیلے پاؤں، اس کی عورت پیچھے۔ لوٹی ہوئی چیزیں اس کی پیٹھ پر۔

میری روح میرے ساتھ چلتی ہے، صورتوں کی صورت۔

وہ لہروں کے قریب آ گیا تھا، نم ریت اس کے جوتوں پر پڑ رہی تھی۔ نئی ہوا اس کا استقبال کر رہی تھی۔

میں واپس جاؤں گا۔

وہ مڑا، جنوب کی طرف دیکھا۔ مینار کا ٹھنڈا کمرہ میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں آج رات وہاں نہیں سوؤں گا۔

وہ چٹانوں کے پاس سے لوٹا۔ میری روح میرے ساتھ چلتی ہے۔

وہ رکا، ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔

ایک کشتی کا کنارہ، ایک مردہ کتا، بھاری ریت، ماضی کا بوجھ۔

ایک کتا پھر نمودار ہوا۔ وہ آیا، سونگھا، بھونکا، چلا گیا۔

وہ دونوں عورتیں۔ کتا ان کے ساتھ۔

تاریخ، خون، بھوک، سب میرے اندر۔

میں کھڑا رہا، خاموش۔

میں اسے بچانا چاہتا تھا۔ میں نہیں بچا سکا۔

پانی، موت۔

وہ آگے بڑھے، کتا ان کے ساتھ۔

وہ رکا، دیکھا، سنا۔

زندگی، موت، ریت، سمندر۔

سب ایک ساتھ۔

اور میں، ان کے درمیان۔

اب گزرتا ہوا۔

اپنی ہیملٹ ٹوپی پر ترچھی نظر۔ اگر میں یہاں بیٹھے بیٹھے اچانک ننگا ہو جاؤں؟ میں نہیں ہوں۔ دنیا کی تمام ریتوں کے پار، سورج کی آتشیں تلوار کے پیچھے، مغرب کی طرف، شام کی سرزمینوں کی جانب سفر۔ وہ چلتی ہے، گھسیٹتی ہے، اٹھاتی ہے، ڈھوتی ہے، اپنا بوجھ گھسیٹتی ہوئی۔ ایک مد مغرب کی طرف، چاند کے کھینچاؤ سے، اس کے پیچھے۔ مدیں، بے شمار جزیروں میں بٹی ہوئی، اس کے اندر، خون جو میرا نہیں، اونوپا پونتون، شراب جیسے گہرے رنگ کا سمندر۔

دیکھو، چاند کی خدمت گزار۔ نیند میں نمی کی علامت اس کی گھڑی کو پکارتا ہے، اسے اٹھنے کا حکم دیتا ہے۔ عروسی بستر، زچگی کا بستر، موت کا بستر، بھوتی شمعوں سے روشن۔ ہر جسم تیری طرف آئے گا۔ وہ آتا ہے، زرد چہرہ ویمپائر، طوفان میں اس کی آنکھیں، اس کے چمگادڑ جیسے بادبان سمندر کو خون آلود کرتے ہوئے، اس کا منہ اس کے منہ کے بوسے کی طرف۔

یہاں۔ اس پر ایک پن لگا دو، کرو گے؟ میری نوٹ بُک۔ منہ سے اس کے بوسے تک۔ نہیں۔ دو ہونے چاہئیں۔ اچھی طرح چپکا دو۔ اس کے منہ سے اس کے منہ کے بوسے تک۔

اس کے ہونٹ ہلتے ہیں، بے گوشت ہوا کے ہونٹوں کو چھوتے ہوئے: منہ سے اس کے رحم تک۔ رحم، سب کو سمیٹنے والی قبر۔ اس کا منہ سانس کی صورت میں ڈھلتا ہے، بے لفظ: اوئے ہاہ، گرجتے ہوئے سیاروں کی آواز، چمکتے، دہکتے، دور دور دور۔

کاغذ۔ نوٹ، لعنت ان پر۔ بوڑھے ڈیسی کا خط۔ یہاں۔ تمہاری مہمان نوازی کا شکریہ۔ خالی حصہ پھاڑ دو۔ سورج کی طرف پشت کر کے وہ ایک چٹانی میز پر جھکا اور الفاظ لکھنے لگا۔

یہ دوسری بار ہے کہ میں لائبریری سے پرچی لینا بھول گیا۔

اس کا سایہ چٹانوں پر پھیلا جب وہ جھکا، ختم کرتے ہوئے۔ کیوں نہ یہ سایہ آخری ستارے تک پھیلتا رہے؟ وہ اندھیرے میں ہیں اس روشنی کے پیچھے، روشنی میں چمکتا اندھیرا، کاسیوپیا کا ڈیلٹا، دنیائیں۔

میں وہاں بیٹھا ہوں، اپنی راکھ کی چھڑی کے ساتھ، ادھار کی سینڈل پہنے، دن میں زرد سمندر کے کنارے، نظر سے اوجھل، اور بنفشی رات میں اجنبی ستاروں کے نیچے چلتا ہوا۔

میں یہ ختم شدہ سایہ اپنے سے پھینکتا ہوں، انسان کی ناگزیر شکل، اسے واپس بلاتا ہوں۔ اگر یہ لامحدود ہو تو کیا یہ میرا ہوگا، میری صورت کی صورت؟ یہاں مجھے کون دیکھ رہا ہے؟ کون کبھی کہیں ان الفاظ کو پڑھے گا؟ سفید میدان پر نشانیاں۔

کہیں کسی کے لیے، تمہاری سب سے نرم آواز میں۔

کلونے کا نیک بشپ اپنے ہیٹ سے ہیکل کا پردہ نکالتا ہے: خلا کا پردہ جس پر رنگین نشانیاں ہیں۔ ٹھہرو۔ ہموار سطح پر رنگ۔ ہاں، یہی درست ہے۔ میں ہموار دیکھتا ہوں، پھر فاصلہ سوچتا ہوں، قریب، دور۔

آہ، اب دیکھو۔ اچانک پیچھے ہٹتا ہے، جیسے سٹیریوسکوپ میں جم گیا ہو۔ کلک، کام ہو گیا۔

تمہیں میرے الفاظ تاریک لگتے ہیں۔ تاریکی ہماری روحوں میں ہے، کیا تم نہیں سمجھتے؟ ہماری روحیں، گناہوں سے زخمی، ہم سے اور زیادہ لپٹ جاتی ہیں، جیسے عورت اپنے عاشق سے۔

وہ مجھ پر بھروسہ کرتی ہے، اس کا نرم ہاتھ، لمبی پلکیں۔ میں اسے کہاں لے جا رہا ہوں؟ پردے کے پار، اس ناگزیر بصری حقیقت میں۔

وہ، وہ، وہ۔ کون وہ؟ پیر کے دن ہاجز فگس کی دکان میں کھڑی کنواری لڑکی، تمہاری کتاب دیکھتی ہوئی۔ تم نے اسے غور سے دیکھا تھا۔

مجھے چھوؤ۔ نرم آنکھیں۔ نرم ہاتھ۔ میں یہاں تنہا ہوں۔ او، مجھے چھوؤ، ابھی۔

وہ چٹانوں پر لیٹ گیا، اپنا نوٹ اور پنسل ٹوپی میں ٹھونس کر۔ ٹوپی آنکھوں پر۔ یہی حرکت کیون ایگن کی تھی، سبت کی نیند۔

اور خدا نے دیکھا۔ اور سب کچھ بہت اچھا تھا۔

وہ پتے کے نیچے سے سورج کو دیکھتا رہا۔ میں اس جلتے منظر میں قید ہوں۔ پان کا وقت، دوپہر کا جنونی لمحہ۔

درد دور ہے۔

اور اب مڑ کر مت سوچو۔

اس کی نظر اپنے جوتوں پر گئی، ایک دوسرے کے ساتھ۔ اس نے چمڑے کی شکنیں گنیں۔

میں انتظار کروں گا۔ نہیں، وہ گزر جائیں گی، ٹکراتی ہوئی، بہتی ہوئی۔

سنوں۔ لہروں کی چار لفظی زبان: سی سو، ہررس، رسسس، اووس۔

چٹانوں کے پیالوں میں پانی چھلکتا ہے: چھپ، چھل، تھپ۔

پھر خاموشی۔ پانی بہتا ہے، جھاگ بنتا ہے، پھول کی طرح کھلتا ہوا۔

مد کے نیچے کائی اٹھتی ہے، جیسے بازو، جیسے لباس اٹھائے ہوئے۔

دن بہ دن، رات بہ رات۔

وہ تھک چکی ہیں۔

پانچ گز گہرائی۔ وہاں۔ تمہارا باپ پانچ گز نیچے ہے۔

وہ ملا، ڈوبا ہوا۔

ایک لاش، سفید، پانی سے ابھرتی ہوئی۔

ہم نے اسے پکڑ لیا۔

آہستہ۔

بدبو دار پانی سے بھرا جسم۔

خدا انسان بنتا ہے، انسان مچھلی، مچھلی پرندہ، پرندہ بستر، پہاڑ۔

میں مردہ سانس لیتا ہوں، مردہ مٹی پر چلتا ہوں۔

وہ کشتی پر کھینچا جاتا ہے، اپنی قبر کی بدبو کے ساتھ۔

سمندری موت، سب سے نرم موت۔

آؤ۔ مجھے پیاس ہے۔

بادل آ رہے ہیں۔

بجلی، عقل کی روشنی، لوسیفر۔

نہیں۔ میری ٹوپی، میرا عصا۔

کہاں؟ شام کی طرف۔

شام خود کو پا لے گی۔

اس نے اپنی چھڑی کو نرمی سے آگے بڑھایا۔

ہاں، شام مجھے پا لے گی، میرے بغیر بھی۔

تمام دن اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔

میرے دانت خراب ہیں۔ کیوں؟

یہ والا بھی جا رہا ہے۔

کیا مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے؟

میرا رومال۔

میں نے پھینکا تھا۔

میں نے نہیں اٹھایا۔

اس نے جیب میں تلاش کیا۔ نہیں۔

ایک خریدنا ہوگا۔

اس نے ناک سے نکلی خشک رطوبت کو چٹان پر رکھا۔

باقی جو دیکھنا چاہے دیکھے۔

پیچھے۔

شاید کوئی ہے۔

وہ مڑا، پیچھے دیکھا۔

ہوا میں ایک جہاز کے مستول، اس کے بادبان لپٹے ہوئے، خاموشی سے حرکت کرتے ہوئے، ایک خاموش جہاز۔